مقالات فاروقی

مصنف

پروفیسر حافظ محمد اسرائیل فاروقی

شعبہ علوم اسلامیہ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور

All rights ©2002-2006

www.Nayaab.Net انٹرنیٹ ایڈیشن دوم سال 2006

فہرست

حرف آغاز	03
عظیم قربانی	06
سلام کی اہمیت، فضیلت اور آداب	17
فہم قرآن میں حدیث کا مقام	76
امام ابن تیمیہؒ بحیثیت محدث	99
اسلامی حدود و تعزیرات، فلسفہ اور حکمت	128

www.IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

حرف آغاز

امیر حمزہ..... چیف ایڈیٹر'' وائس آف اسلام''

اللہ کا گھر ہے جہاں..... اس دیس (سعودیہ) میں رہنے والے میرے عزیز بھائی مولانا محمد یعقوب شیخ نے مجھ سے اپنے محسن اور عزیز پروفیسر حافظ محمد اسرائیل فاروقی حفظہ اللہ کے مقالات کے بارے میں مکالمہ کیا تو میں نے نہ صرف اشاعت بلکہ نظر ثانی وغیرہ کی بھی حامی بھر لی۔

محترم پروفیسر حافظ محمد اسرائیل فاروقی سے تعلق و تعارف تو کافی پرانا ہے کہ انجینئرنگ یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ میں ان سے ملاقات ہوتی۔ مرنجان مرنج اور ہنس مکھ فاروقی صاحب سے مل کر طبیعت خوشگوار ہو جاتی۔ تاہم اب جب ان کے مقالات پر دیباچہ لکھنے کی نوبت آئی تو پتہ چلا کہ حافظ محمد اسرائیل صاحب کا تعلق ایک ایسے علمی خاندان سے ہے جس کی دعوتی خدمات پاکستان اور سعودیہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ حافظ صاحب کے دادا جی شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ سے کون اہل علم واقف نہیں کہ جن کے استاد مولانا محمد حسین بٹالوی تھے۔ انہوں نے دہلی میں سید نذیر حسین دہلوی کے مدرسہ سے فراغت حاصل کی۔ پھر ریاست بہاولپور کے شہر'' احمد پور شرقیہ'' میں توحید و سنت کی دعوت کو پھیلایا۔ مولانا عبدالحق کے تبحر علمی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ محدث عصر سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ اور شیخ الحدیث مولانا سلطان محمود صاب رحمہ اللہ جلال پور پیروالا آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔

شاہ عبدالعزیز ابن سعود رحمہ اللہ جو خود بھی عالم اور علماء کے قدردان تھے۔ انہیں مولانا عبدالحق کے تبحر علمی کا پتہ چلا تو انہوں نے مولانا کو اپنے ہاں آنے کی

دعوت دی کہ وہ " بیت ارقمؓ" جو اللہ کے رسولؐ کی قائم کردہ پہلی تربیت گاہ تھی- میں درس حدیث دیں- مولانا عبدالحق نے اس دعوت کو قبول کیا اور پاکستان سے روانگی کا ارادہ کر لیا- وہ سعودیہ میں جا بسے- جہاں 1392ھ کو مکہ میں انتقال کر گئے- اور بقیع میں دفن ہوئے- ان کے جنازے میں پچاس ہزار افراد شریک ہوئے- قبر کی جگہ سیدنا عثمان بن مظعونؓ سیدنا امام مالکؒ اور امام نافعؒ کے درمیان ملی- آپ کے بیٹے فضیلۃ الشیخ ابوتراب بہت بڑے عالم ہیں- عربی لغب پر سند ہیں- عرب علماء لغت میں یہ کہہ کر ہتھیار پھینک دیتے ہیں کہ " قال ابوتراب "- دوسرے بیٹے مولانا عبدالوکیل ہیں- جو حرم مکی میں مدرس ہیں-

مولانا عبدالحق نے " احمد پور شرقیہ" کو بھی بے یارو مددگار نہ چھوڑا بلکہ اپنا ایک بیٹا مولانا عبدالرزاق یہیں چھوڑا- یہ کہہ کر کہ تم نے میری علمی وراثت کا یہاں حق ادا کرنا ہے- چنانچہ مولانا عبدالرزاق رحمہ اللہ نے یہ حق خوب نبھایا- انہی مولانا عبدالرزاق کے بیٹے .... حافظ محمد اسرائیل فاروقی ہیں-

" اسرائیل" عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنیٰ " اللہ کا بندہ " ہے- یہ سیدنا یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا.................. اس نام پر مولانا عبدالرزاق رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے کا نام رکھا - یہ بیٹا انجیئرنگ یونیورسٹی لاہور میں شعبہ علوم اسلامیہ میں اسلام کی خدمت بجالا رہا ہے- یعنی مولانا عبدالحق کے لگائے ہوئے دونوں پودے سعودیہ میں بھی اور پاکستان میں بھی سرسبز ہیں- بار آور ہیں اور ثمر بار ہیں- اللہ اس پھل کو اور میٹھا کرے- بڑی سعادت کی بات ہے-

زیر نظر کتاب " مقالات فاروقی" مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کے " صدقہ جاریہ " ہی کا ایک ثمر ہے- یہ دراصل مختلف موضوعات پر نو (9) مقالات ہیں-

میں نے ان کو پڑھا - پروف ریڈنگ بھی کی -نظر ثانی بھی کی..... اور پھر چھپوا کر قارئین کی خدمت میں پیش بھی کئے - یہ مقالات جو کتاب و سنت کی اساس پر موجودہ حالات کے مطابق راہنما مقالات ہیں علمیّت اور معلومات کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں -طلبا کے لئے بھی مفید ہیں' علماء کے لئے بھی اور عام لوگوں کے لئے بھی-

یہ تمام مقالہ جات بورڈ آف ایڈوانس ریسرچ سٹڈیز انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور سے منظور شدہ ہیں-

اللہ کے حضور دعا ہے کہ وہ'' مقالات فاروقی'' کو پروفیسر صاحب اور ان کے آباء کے لئے صدقہ جاریہ بنائے اور چیئر مین شعبہ علوم اسلامیہ پروفیسر عبدالحفیظ رحمہ اللہ کے لئے بھی کہ جن کی نگرانی میں فاروقی صاحب نے یہ مقالات مرتب کئے -اللہ تعالی کی جناب میں یہ بھی درخواست ہے کہ وہ ان مقالات کو دعوت کے میدان میں قبول عام کا مرتبہ عطا فرمائے -آمین

امیر حمزہ

عظیم قربانی

توحید

ابراہیمؑ کی تحریک میں جو سب سے زیادہ ابھرا ہوا پہلو ہے وہ ان کی بے داغ اور بے لچک توحید ہے۔ جب بھی اللہ کی محبت اور غیر کی محبت کے تقاضوں میں ٹکر ہوئی۔ اللہ کی خاطر سب کو خیر باد کہہ دیا۔

اذقال لابیہ و قومہ ما ھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون (الانبیاء: (۵۲)

" تم کو کیا ہو گیا ہے اپنے ہاتھوں سے بت تراشتے ہو اور پھر ان کے سامنے پیشانی جھکا دیتے ہیں۔"

و اعتزلکم و ما تدعون من دون اللہ (مریم: ۴۸)

"میں تمہارا بائیکاٹ کرتا ہوں اور اللہ کے سوا جس کی تم پوجا کرتے ہو میں ان سب سے الگ ہوتا ہوں۔"

اسی طرح آپ کی تبلیغی سرگرمیاں تیز ہوتی گئیں۔ حتیٰ کہ آپ کی آواز سے سر زمین بابل گونج اٹھی۔

قالوا حرقوہ و انصروا الھتکم ان کنتم فاعلین(الانبیاء: (۶۸)

" وہ سب کہنے لگے اس کو جلا ڈالو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم کرنا ہی چاہتے ہو۔"

قلنا ینار کونی بردًا وَّ سَلاَمًا عَلیٰ اِبْرَاھِیْمَ (الانبیاء: ۶۹)

" ہم نے حکم دیا اے آگ تو ابراہیم کے بارے میں سرد اور سلامتی والی بن

جا"

والد نے یہ کہا......:

" لِئِن لَّم تَنتَہِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا (مریم: ٤٦)

"اگر تو باز نہ آیا تو تمہیں سنگسار کر دوں گا تم اس سرزمین سے نکل جاؤ"

غرض سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے معبودان باطل کی نفی کی' قوم اور برادری کی نفی کی' اپنے والد کی نفی کی جبرائیل امین کی مدد کی نفی کی اور اللہ کی خاطر وطن کو خیر باد کہہ دیا۔

قال انی ذاھب الی ربی سیھدین ☆ رب ھب لی من الصلحین(الصافات: ۹۹- ۱۰۲)

"اور (اس ابراہیم نے) کہا کہ میں اپنے پروردگا کی راہ میں کسی طرف چلا جاتا ہوں—وہ خود ہی مجھے ہدایت کرے گا۔" اے میرے پروردگار مجھے صالح اولاد عطا فرما۔"

فبشرنه بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ(الصافات: ۱۰۱)

"پس ہم نے اس کو ایک بردبار لڑکے کی خوشخبری دی۔"

سیدنا ابراہیمؑ نے یہ دعا شام پہنچ کر فرمائی (شوکانی)

اللہ تعالی نے سیدنا ابراہیمؑ کو صابر' حسن الخلق والا' عفوو درگزر کرنے والا بیٹا سیدنا اسماعیل علیہ السلام عطا فرمایا......:

الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر......(ابراھیم: ۳۹)

"یقیناً غلام حلیم سیدنا اسحاقؑ کی خوشخبری اور ان کے بعد یعقوبؑ کی خوشخبری دی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیمؑ کو چھیاسی برس کی عمر میں سیدہ ہاجرہ مصری کے بطن سے" بڑی منت والتجا" کے بعد پہلوٹھا بیٹا اسماعیلؑ عطا کیا- فلما بلغ معه السعی (جب وہ دوڑنے پھرنے کے قابل ہوگیا)(الانبیاء: ۱۰۲)

ای ان یسعی معه و یعینه قیل بلغ سبع سنین و قیل ثلاثة عشرة (جلالین: ص ٥٩٤)

"یہ ایسی عمر ہے جس میں والدین کی امیدیں اولاد کے ساتھ وابستہ ہونے لگتی ہیں-حکم ہوا کہ" غیر کی امیدوں کے چراغ تیرے دل میں جلنے لگے' لیکن یہ یاد رہے.....! کہ سیدنا ابراہیمؑ نے جس صالح فرزند کے لئے دعا مانگی وہ فرزند فی الواقع ایسا ہی سپوت ثابت ہوا- سیدنا ابراہیمؑ کے دو صاحبزادوں میں سے بڑے صاحبزادے سیدنا اسماعیلؑ ہیں- کیونکہ چھوٹے لڑکے سیدنا اسحاق علیہ کا ذکر بعد کی آیت میں نام لیکر دیا گیا - بلاشبہ قرآن و سنت کی رو سے وہ اسماعیلؑ ہی ہیں جنہوں نے" ستجدنی انشاءَ الله من الصابرین' کہہ کر" وتلّهٗ للجبین' کا مظاہرہ کرکے" وفدیناہ بذبح عظیم" کا اعزاز حاصل کیا-(قصص القرآن جلد ا ص: ۲۴۸)

یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتان وہم و گماں لا الہ الاّ اللہ

امتحان:

جب اسماعیل کی عمر چلنے پھرنے والی ہوگئی -تو ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے سے فرمایا :.....

س میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں- تیری اس بارے

میں کیا رائے ہے؟'' بیٹے نے جواب دیا ''اے ابا جان! جو آپ کو حکم ہوا ہے کر ڈالئے اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے'' جس سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ اسماعیل نے کہا: '' یہ صبر وضبط اکیلا میرا کمال نہیں بلکہ دنیا میں اور بھی بہت سے صبر کرنے والے ہوئے ہیں اور ہوں گے- ان شاءاللہ میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں گا اسی طرح آپ نے اس جملے میں فخر وتکبر خود پسندی وغیرہ کے ہر ادنی شائبے کو ختم کر کے اس میں انتہاء درجے کی تواضع اور انکسار کا اظہار فرمایا-'' روح لمعانی ج ۲۳-ص ۱۲۹)

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

اس سے ثابت ہوا کہ اسماعیلؑ صابر وشاکر والدین کے فرنبردار اور اللہ کی رضا پر راضی تھے-قرآنی الفاظ صاف بتلا رہے ہیں کہ آپ اپنے والد کو خوب پہچانتے تھے-اس لئے کہہ دیا جو آپ کو حکم ہوا ہے کر ڈالئے'' آپ کو یہ تربیت والدہ محترمہ کی گود سے حاصل ہوئی-

فلما اسلما و تلہٗ للجبین" (الصافات: ۱۰۲)

''جب وہ دونوں تابعداری پر مستعد ہوئے اور اس کو پیشانی کے بل گرا دیا-''

عموماً مفسرین نے '' للجبین'' کا مفہوم پیشانی کے بل اوندھا لٹانا'' لیا ہے اس لئے کہ ذبح کے وقت بیٹے کا چہرہ دیکھ کر شفقت پدری غالب نہ آجائے اور یا پھر بیٹے کی وصیت ہی ایسی تھی کہ مجھے اس طریق سے ذبح کیا جائے-

لفظ '' جبین'' کے معنی '' جبھۃ'' ماتھا کی ایک جانب کے آتے ہیں پس اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو لٹایا جیسا کہ ذبح کرتے وقت لٹایا جاتا ہے قتادہ سے منقول

ہے- ای کبہ وحول وجھہ الی القبلۃ"

"یعنی ان کو پچھاڑ کر انکا چہرہ قبلہ کی طرف کر دیا-" ص ۵۳۸

" تلہ - ای صرعہ و ألقاہ عسی احدی جبینہ ' ولکل انسان جبینان بینھما الجبھۃ- ای تلابراھیم اسماعیل علی جبینہ ' لیضجعہ ' فیذبحہ ' وقد انکب لوجھہ لئلا ینظر وقت الذبح الی وجھہ" (کلام المنان - ج ٦ ص: ٣٩٠

(اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل پچھاڑ دیا)

پیشانی کے بل پچھاڑنے کی بعض لوگوں نے یہ توجیہ کی ہے- سیدنا ابراہیمؑ نے چاہا کہ ذبح کے وقت بیٹے کا چہرہ سامنے نہ ہو' تا کہ رقت قلب چھری چلانے سے مانع نہ ہو- لیکن یہ توجیہ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے جو باپ اس طرح اپنے اکلوتے اور محبوب لخت جگر پر چھری چلانے کے لئے آستین چڑھالے گا وہ اس قسم کی تسلیوں کا محتاج نہیں ہوتا- میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بیٹے کو سجدہ کی حالت میں قربان کرنا چاہا اس وجہ سے پیشانی کے بل پچھاڑ دیا- سجدہ کی ہئیت خدا کے قرب کی سب سے زیادہ محبوب ہئیت اسلام میں بھی ہے جیسا کہ ارشاد ہے:.....

" واسجد واقترب"

اور اس کی یہ حیثیت قدیم مذاہب میں بھی مسلم رہی ہے- یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب نہ بیت اللہ تعمیر ہوا تھا اور نہ عبادت کے لئے کوئی متعین قبلہ تھا- (تدبر قران ج ٦ ص ٤٨٦)

یعنی جب دونوں نے اللہ کے سامنے گردن رکھ دی اور والد نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا تو ہم نے ابراہیمؑ کو پکارا- یہ مقصد تو نہ تھا کہ تیرے ہاتھوں تیرا بیٹا ذبح

کرادوں بلکہ میں تو تیری شخصیت کی تکمیل کر رہا تھا - اور میں تیری محبت کو آخری ارتقائی منزل سے گذار رہا تھا -

وفدیناہ بذبح عظیم(الصافات: ۱۰۷)

'' اور ہم نے اس کے بدلے میں بڑی قربانی دی -''

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو بڑے امتحان میں اس لئے ڈال دیا کہ وہ ابراہیمؑ کی اپنے بارے میں '' کمال محبت'' کا امتحان لینا چاہتا تھا - جب اسماعیلؑ پیدا ہوئے تو والد کو بیٹے کی شدید محبت ہوئی اور حالانکہ والد '' خلیل الرحمٰن'' بھی تھے اور '' خلیل ہونا'' محبت کی اعلیٰ قسم ہے یہ منصب شرکت کو پسند نہیں کرتا اور تقاضا کرتا ہے کہ دل کے ہر گوشے سے '' محبوب'' کا ہی ہو کر رہ جائے جب ان کے قلب کا ایک گوشہ اسماعیل علیہ السلام کے لئے وقف ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے '' خلیل'' ہونے کا امتحان لیا - اس طرح ابراہیمؑ نے اللہ کی محبت کو بیٹے کی محبت پر غالب کر دیا - اور دل میں ذرہ بھر ملال نہ آنے پایا - فرمایا ہم آپ کے بیٹے کو ذبح کرانا نہیں چاہتے تھے ہم تو '' ذبح عظیم'' کی سنت کو تا قیام قیامت جاری و ساری کرنا چاہتے تھے - اور آپ کی دعاء کی بدولت '' و مِنْ ذُرِّیَّتِی'' کہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے عام کائنات ختم الرسل لکھ دینا چاہتے تھے - سلامٌ علیٰ ابراھیم '' اے ابراہیم تو نے خواب سچ کر دکھایا اور اس طرح ہم نیکوکار لوگوں کو جزا دیتے ہیں) بیٹے کی قربانی کی تیاری ہی پر وہ بلند مرتبہ عطا کر دیا گیا جو واقعی بیٹا قربان کر دینے سے مل سکتا تھا - ایسی آزمائشیں' فضیلتوں کو ابھارنے اور بلند مرتبہ عطا کرنے کے لئے برگزیدہ ہستیوں پر ڈالی جاتی ہیں -

ذبیح اللہ

صاحب قصص الانبیا عبدالوہاب نجار نے اس موقع پر آیت '' وبارکنا علیہ وعلی اسحٰق'' میں ''علیہ'' کی ضمیر ذبیح'' کی جانب راجع کی ہے اور یہ ترجمہ کیا -ہم نے برکت نازل کی اس'' ذبیح'' پر اور'' اسحٰق'' پر اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ پورا واقعہ بیان کرنے کے بعد اسحاق علیہ السلام کی بشارت کا ذکر اس بات کے لئے نص ہے کہ صاحب قصہ لڑکا' اسحٰق کے علاوہ ہے اور وہ صرف اسماعیل ہی ہو سکتے ہیں-ص ۲۳۹)

بغوی نے محمد بن کعب قرظی کے حوالے سے لکھا ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک یہودی عالم سے (جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) دریافت کیا - ابراہیمؑ کے کس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا؟ یہودی عالم نے جواباً کہا:'' اسماعیل کو'' پھر اس نے کہا:'' اے امیر المومنین! یہودی اس بات کو جانتے ہیں لیکن اے قوم عرب! یہودیوں کو اس بات سے حسد ہوتا ہے کہ وہ تمہارے باپ کو'' ذبیح اللہ'' مانیں اسلئے وہ کہتے ہیں کہ جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ اسحاق تھے- تفسیر مظہری -ج ۵ص ۴۱-۴۲)

توراۃ میں مذکور ہے-

۱ - لان لی کل بکر فی بنی اسرائیل من الناس والبھائم

'' کیونکہ بنی اسرائیل میں آدمی اور جانور کا پہلوٹا بچہ میرے لئے ہے-'' (عدد اصحاح ۷-۸)

۲-'' ابراہیمؑ کو بیٹے کی قربانی کا جو حکم ہوا تھا اس میں قید تھی کہ وہ بیٹا قربان کیا جائے جو اکلوتا ہو اور محبوب ہو (توراۃ تکوین اصحاح ۲۲-آیت -۲)

۳-اسماعیلؑ ابراہیمؑ کی دعا کا نتیجہ ہیں اور اسحاق خدا کے وعدہ اور عہد کا مظہر

ہیں)توراۃ تکوین ۱۷-۱۸تکوین اصحاح -۱۷-۱۸)

٤ -ليت اسماعيل يعيش امامك - توراة تكوين اصحاه -۱۷ - ۱۸)

’’کاش اسماعیل تیرے سامنے زندگی بسر کرتا -‘‘

قربانی کا مقصد خدمت کعبہ کیلئے نذر چڑھانا اور اس کیلئے سابقہ شریعت میں لفظ’’ خدا کے سامنے‘‘ مستعمل تھا توراۃ میں یہ لفظ متعدد مرتبہ آیا ہے اور قربانی ہی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے-

۵-قربانی - ایثار اور اسلام در حقیقت یہ سب مترادف الفاظ ہیں اور یہ اس بات کی قطعی دلیل ہیں کہ اسماعیلؑ نے اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کیا اور اگر اسحاقؑ قربانی کے لئے پیش ہوتے تو یہ لقب ان کی اولاد یا ان کی امت کو ضرور ملتا مگر اسحاق کی کثیر اولاد ہونے کا وعدہ انکی ولادت کے وقت ہو چکا تھا اس لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ ابھی اولاد سے قبل انکی قربانی کا حکم ہو جاتا -

۶ -قربانی صرف بنو اسماعیل میں رائج تھی جب کہ بنو اسحاق میں کہیں بھی قربانی رائج نہیں اور اب مسلمان یہ سنت ادا کرتے ہیں اس لئے عقل و نقل سے ثابت ہو گیا کہ ذبیح اللہ صرف اسماعیل ہی تھے -(سیرت النبی جلد اول ص: ۱۴۴- الخص

ذبح عظیم:

قربانی اگرچہ تمام ادیان میں آدم سے چلی لیکن مذاہب کی تاریخ میں کسی قربانی نے یہ عظمت واہمیت ووسعت وہمہ گیری حاصل نہیں کی جو ابراہیم کی اس عظیم قربانی نے حاصل کی-’’ ذبح عظیم‘‘ کا گوشت قربان کنندہ کے لئے خیرو برکت‘

احباب کے لئے تحفے اور فقراء کے لئے سامان دعوت بنا۔

" لن ینال الله لحومها ولا دماء ها ولکن یناله التقوی منکم

۔" (الحج: ۳۷)

اکثر مفسرین کے نزدیک "عظیم قربانی" سے مراد ایک عظیم الشان مینڈھا ہے جو فرشتے کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کے پاس بھیجا تا کہ وہ بیٹے کے بجائے اس کی قربانی کریں۔

" یہ جنتی مینڈھا ابراہیم کو عطا ہوا اور انہوں نے اللہ کے حکم سے اپنے بیٹے کے بجائے اس کو قربان کیا۔ اس ذبیحہ کو عظیم اس لئے کہا گیا کہ یہ اللہ کی طرف سے آیا تھا۔ اور اس کی قربانی مقبول ہونے میں کسی کو کوئی شک نہیں ہوسکتا۔ معارف القرآن جلد ۷۔ ص: ۱۶۱ تفسیر مظہری۔ جلد ۱۰ص: ۴۰)

"بڑی قربانی" سے مراد جیسا کہ بائبل اور اسلامی روایات میں بیان ہوا ہے۔ ایک مینڈھا ہے جو اس وقت اللہ تعالیٰ کے فرشتے ابراہیمؑ کے سامنے پیش کیا تا کہ بیٹے کے بدلے اس کو ذبح کردیں۔ اسے " بڑی قربانی" کے لفظ سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ وہ ابراہیم جیسے وفادار بندے کے لئے فرزند ابراہیم جیسے صابر و جانثار لڑکے کا فدیہ تھا اور اسے اللہ نے ایک بے نظیر قربانی کی نیت پوری کرنے کا فیصلہ بنایا تھا۔ اس کے علاوہ اسے" بڑی قربانی" قرار دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ سنت جاری کردی کہ اسی تاریخ کو تمام اہل ایمان دنیا بھر میں جانور قربان کریں اور وفاداری و جانثاری کے اس عظیم الشان واقعہ کی یادتازہ کرتے رہیں۔ تفہیم القرآن۔ جلد ۴ص: ۲۹۷

" یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے"

احب الاعمال

ماعمل ابن آدم یوم النحر عملاً احب الی الله من اهراق الدم (عن عائشة ' ابن ماجه' ترمذی)

دور حاضر میں کچھ لوگ یہ کہتے ہوئے سنے گئے کہ قربانی کیوجہ سے گوشت اورمال ضائع ہوتا ہے- ایسے لوگ قربانی کی حقیقت سے نا آشنا ہیں' قربانی کی حقیقت" تقویٰ" ہے

قل ان صلوٰتی و نسکی و محیای و مماتی لله رب العالمین" (الانعام ١٦٢)

ان لوگوں کو ایسے حضرات کی قربانیاں دکھائی دیتی ہیں جو رزق حلال کمانے سے عاری اور نماز روزہ سے دور بھاگے ہیں- گوشت بانٹنا ثانوی حیثیت رکھتا ہے- اول خون کا بہانا ورچھری جانور کی گردن پر رکھنا- مگر یاد رہے کہ ان سارے اعمال میں رب کائنات کامقصود" تقویٰ" ہے

و ترکنا علیه فی الاخرین (الصافات: ١٠٨)

" ہم نے اس سنت کو آنے والی نسلوں کے لئے باقی رکھا-"

قربانی کی حقیقت" خلیل اللہ" کی اداؤں کا تکرار ہے-

اس دور کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ کوئی ابراہیم خلیل اللہ کا پیروکار نہیں جو پوری قوم کو اسلامی نظریہ حیات کی طرف یکسو کر سکے- کاش اسلامی جماعتیں اسوۂ ابراہیمی کو اپنا سکیں- ہم باہم دست گریباں ہیں نتیجتاً سیکولرزم کے مختلف نظریات دندنا رہے ہیں اور اگر یہ سیلاب امڈ آیا تو اس میں تمام مذہبی جماعتیں و گروہ اقتدار و جاہ کی خواہشوں سمیت خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیں گی اور ان کی

"داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں"

قربانی کے انہیں ایام میں سب مسلمان" اسوۂ ابراہیمی کو اپنائیں اور یک جان ہو کر" عظیم قربانی" کا نمونہ پیش کریں- اسلام کے نظام کی اس دور میں قابل عمل صورت قوم کے سامنے پیش کریں-قابل عمل صورت کتاب وسنت' ملک میں نافذ کرانے کے لئے مسلسل اور پیہم کوشش کریں-

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ

باب دوم۔۔۔اسلام کی اہمیت، فضیلت اور آداب

مذاہب عالم میں سلام کا تصور

دنیا کی ہر قوم میں ملاقات کا ایک طریقہ اور سلیقہ موجود ہے، عیسائی جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو اگر سر پر کوئی ٹوپی یا ہیٹ ہو تو اسے اٹھا کر تھوڑا سا سر جھکا کر کہتے ہیں Good Morning, good by, Good Evening۔

یہودیوں کے ہاں سلام کا طریقہ وہی ہے جو عام طور پر سکاؤٹوں اور ملٹری میں رائج ہے۔ دائیں ہاتھ کی تین انگلیاں اکٹھی کر کے پیشانی تک لانا اور نیچے سے کھٹاک سے پاؤں مارنا۔ ہندو ملاقات کے وقت دونوں ہاتھ جوڑ کر پیشانی کے سامنے لاتے ہیں اور زبان سے لفظ ''نمستے'' ادا کرتے ہیں۔ سکھ ملاقات کے وقت ''ست سری اکال'' کا نعرہ لگاتے ہیں۔ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عرب ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو ''حیاک اللہ، حیاک اللہ بالخیر اور ''یا انعم صباحا'' کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ (اللہ تجھے زندہ رکھے، اللہ تجھے بھلائی سے زندہ رکھے، تمہاری صبح نعمت والی ہو۔ آج کل بھی عرب ممالک میں صباح النور اور مساء النور کے الفاظ ملاقات کے وقت مستعمل ہیں۔

حقیقت میں ابتدائے آفرینش سے ہی انسان کو سلام کا مسنون طریقہ سکھایا گیا۔ آدمؑ جب پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا: '' آدمؑ .....! کچھ فرشتے بیٹھے ہوئے ہیں، انہیں جا کر سلام کہو، آدمؑ نے انہیں جا کر السلام علیکم کہا، فرشتوں نے جواب دیا: '' وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: '' کہ آدمؑ قیامت تک تیری ذریت (اولاد) کا یہی سلام ہوگا۔''

جونہی پیغمبروں کی تعلیمات معاشرے سے مُناشروع ہوئیں' سلام کا یہ طریقہ بھی جہالت کے ناطے سے کئی صورتیں بدلتا رہا- بعثت نبوی ﷺ سے پہلے عرب ایک دوسرے کو'' حیاک اللہ'' کے الفاظ سے زندگی کی دعا دیا کرتے تھے' چونکہ عربوں میں باہم جنگ وجدال ہرلمحہ و ہرآن جاری رہتا تھا' اس لئے ایک دوسرے کو زندگی کی دعا دیتے تھے- بقول حالی مرحوم:

کہیں پانی پینے پلانے پر جھگڑا
کہیں گھوڑا آگے بڑھانے پہ جھگڑا
یونہی ہوتی رہتی تھی تکرار ان میں
یونہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں

اکثر و بیشتر حملے قافلوں پر اس وقت ہوتے تھے جب وہ صبح کی میٹھی نیند سوئے ہوتے تھے- متاع زندگی بہت ارزاں تھی' اس لئے عربوں کی یہ مجبوری بن گئی تھی کہ وہ اپنی اس قیمتی متاع کے لئے ایک دوسرے کو زندگی کی دعا دیتے تھے یا'' صبح کے نعمت والی'' ہونے کی دعا دیتے تھے- قرآن مجید کی سورۂ نساء میں عربوں کے انہیں معروف الفاظ کی بنیاد پر یہ حکم آیا.....:

﴿ وإذا حييتم بتحية فحيوا بأحسن منها اوردها ﴾

''اور جب تمہیں کوئی سلام کہے تو تم اسے سلام کا بہتر جواب دو یا کم سے کم اتنا ہی ضرور لوٹا دو''

تحیۃ: سلام کے معروف معنوں میں آج بھی مستعمل ہے

سلام کے معانی

سلام سے مراد دراصل سلامتی' امن اور عافیت ہے- سلامتی میں انسان کی

ساری زندگی‘اس کے معمولات‘اس کی تجارت‘اس کی زراعت اور اس کے عزیز و اقارب گویا معاشرتی زندگی کے سب پہلو‘دین‘دنیا اور آخرت شامل ہوتے ہیں۔

امام راغب اصفہانی نے المفردات میں لکھا ہے:

’’یعنی ظاہری اور باطنی آفات ومصائب سے محفوظ رہنا‘‘

پس جب ہم کسی کو’’ السلام علیکم‘‘ کہتے ہیں تو اس کا یہ معنی ہوتا ہے کہ’’ تم جسمانی‘ذہنی اور روحانی طور پر عافیت میں رہو‘‘تمہاری دنیا اور اخرت کی زندگی کے تمام معمولات اور انجام‘امن اور عافیت والے ہوں‘رسول اکرمؐ کی یہ حدیث اس مفہوم کو یوں واضح کرتی ہے:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده

’’صحیح معنوں میں مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان امن اور عافیت میں رہیں‘‘

عربوں کے سلام پر ایک لحظ غور کیجئے’’ حیاک اللہ‘‘ کا معنی اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ رکھے۔شریعت میں زندگی کی ایسی دعا کبھی نہیں مانگی گئی اگر ایسی دعا سے کسی انسان کی زندگی سو سال یا اس سے اوپر ہو جائے اور وہ زندگی مصائب و آلام سے عبارت ہو‘انسان بڑھاپے کی ایسی منزل کو جا پہنچے جس سے نبی اکرم نے پناہ مانگی:

اللهم انی أعوذبك من ارذل العمر

’’اے اللہ تعالیٰ میں رذیل عمر سے تیری پناہ چاہتا ہوں‘‘

تو ایسی زندگی سے موت انسان کے لئے بہتر ہے۔معاشرے میں ایسے بہت سے انسان دیکھنے کو اب بھی ملتے ہیں جن کے بارے میں انسان مجبور ہو کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہے کہ یا اللہ! اسے اس مصیبت سے نجات عطا فرما۔پر خلوص

دعاؤں کے نتیجے میں لمبی زندگی مل بھی جائے تو یاد رہنا چاہئے کہ ایسی زندگی انسان کیلئے نعمت نہیں بلکہ مصیبت اور زحمت ہوتی ہے پھر رشتہ دار اور عزیز و اقارب بھی ایسے انسان کے لئے موت کی دعائیں مانگتے ہیں۔قرآن مجید نے بہت خوبصورت بات کہی:

﴿ ومن نعمره ننكسه فى الخلق﴾ (يسين: ٦٨)

''اور جس کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں اسے خلقت میں اوندھا کر دیتے ہیں۔''

زندگی کی دعا اگر دینا ہو تو یوں کہنا چاہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری عمر میں برکت عطا فرمائے (بارک اللہ فی عمرک) یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ زندگی تو انسان کی اس دن لکھ دی گئی تھی جب انسان اپنی ماں کے پیٹ میں چار ماہ کا تھا۔فرمان الٰہی ہے:

﴿لكل امة اجل اذا جاءَ اجلهم فلا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون﴾ (يونس: ٤٩)

''ہر ایک امت کے لئے (موت) کا ایک وقت مقرر ہے جب ان کا وہ وقت آ جاتا ہے تو ایک گھڑی دیر نہیں کر سکتے اور نہ جلدی کر سکتے ہیں۔''

بعض لوگ یوں دعا دیتے ہیں کہ اللہ تمہیں عمر نوح' یا عمر خضرؑ عطا فرمائے' شاعر نے بڑی خوبصورت بات کہی ہے.....:

مجھے زندگی کی دعا دینے والے
تیرے خلوص کو نیند آ گئی تو کیا ہو

سلام کی اہمیت

'' سلام'' کے لئے جو کلمات آدمؑ سے لے کر رسول اکرمؐ تک بتائے گئے' وہ یہ ہیں:

السلام علیکم

''تم پر سلامتی ہو''

وعلیکم السلام

''اور تم پر بھی سلامتی ہو۔''

یہ کلمات اتنے جامع ہیں کہ اس میں انسان کی ساری زندگی کا احاطہ ہو جاتا ہے - زندگی انسان کی دو دن' چار دن یا سو سال کی ہو' ایک مسلمان بھائی اپنے مسلمان بھائی کے لئے یہ دعا کرتا ہے کہ'' اللہ تعالیٰ کرے تمہاری زندگی کے یہ دن سلامتی سے بسر ہوں'' مصیبتوں اور پریشانیوں سے نجات ہو' رنج والم تمہارے نزدیک نہ پھٹکنے پائے - جیسے قرآن کہتا ہے کہ انسان کی آزمائش بھوک اور افلاس سے بھی ہوتی ہے' کسی ظالم اور جابر بادشاہ کا خوف مسلط کر کے بھی' انسان کے مال اور جان میں کمی سے بھی' کھیتوں اور باغات میں بیماریوں اور آسمانی آفات کے ذریعے بھی تو گویا'' السلام علیکم'' ایسی سب آزمائشوں سے انسان کو محفوظ رکھنے کی دعا ہے اس دعا کا صرف دنیوی زندگی پر اطلاق نہیں ہوتا - بلکہ آخرت کی زندگی بھی اس میں شامل ہے- گویا دونوں جہانوں کی سلامتی مقصود ہوتی ہے قرآن مجید کے غائر مطالعہ سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبرؑ جب بھی کسی مصیبت میں مبتلا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں لفظ'' سلامتی'' سے یاد کیا اور سلامتی سے یاد کرنے کے ناطے سے ان پیغمبروں کی مصیبتیں اور پریشانیاں دور ہو گئیں.....:

﴿ سلام قولا من رب الرحیم﴾(یسین: ۵۸)

''پروردگار مہربان کی طرف سے سلام (کہا جائے گا)''

یعنی سلامتی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کلمہ ہے جو انسانوں کی مصیبتوں کو دور

کرتا ہے۔نوحؑ پر جب مشکل وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا.....:

﴿سلامٌ علی نوح فی العالمین﴾(٥)(صافات: ٧٩)

''تمام جہانوں میں نوحؑ پر سلامتی ہو''.....دوسری جگہ فرمایا.....:

﴿یا نوح اهبط بسلام منا و برکات علیك﴾(هود: ٤٨)

''حکم ہوا'اے نوح! ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ اتر جاؤ''

جب زمین پانی اگل رہی تھی'آسمان سے موسلا دھار بارش جاری تھی۔اس طوفانی دھارے میں جبکہ سب پہاڑوں کی چوٹیاں زیر آب آ چکی تھیں'تو اگر نوحؑ کی کشتی ان متلاطم موجوں پر سلامت تھی تو دراصل یہ اللہ تعالیٰ کا وہ پیغام تھا جو لفظ سلامتی کے ناطے سے نوحؑ کو پہنچا تھا۔

ابراہیم علیہ السلام پر زندگی میں سب سے مشکل وقت وہ تھا جب نمرود نے آپؑ کو آگ میں ڈالا'اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوراً ''پیغام سلامتی'' پہنچا''

﴿قلنا یا نار کونی برداً و سلاماً علی ابراهیم﴾(الانبیاء: ٦٩)

''ہم نے حکم دیا'اے آگ!سرد ہو جا اور ابراہیم کے لئے موجب سلامتی بن جا!''

یحییٰ کی پیدائش پر اللہ جل شانہ کی طرف سے'' پیغام سلامتی''یوں سنایا گیا:

﴿وسلام علیه یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیاً﴾(مریم: ١٥)

'' اوہ جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وفات پائیں گے اور جس دن زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے ان پر سلام اور رحمت ہے''

بن باپ پیدا ہونے کے ناطے سے جب عیسیٰؑ پر نازک وقت آیا تو ان کی زبان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سلامتی کا اعلان اس طرح ہوا!

﴿والسلام علیَّ یو م ولدت ویوم اموت و یوم ابعث حیاً﴾ (مریم: ۳۳)

''اور جس دن میں پیدا ہوا' اور جس دن مجھے موت آئے گی اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا مجھ پر سلام اور رحمت ہے''

فرعون جیسے ظالم اور جابر بادشاہ کے دربار میں جب موسیٰu اور ہارونu گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں سلامتی کا پیغام سنایا:

﴿ سلام علی موسیٰ و ھارون ﴾(طٰہٰ: ۱۲۰)

'' موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو''

الیاس پر سلامتی کا اعلان اس طرح ہوا:

﴿ وسلام علی الیاسین ﴾ (طٰہٰ: ۱۳۰)

'' اور الیاسین پر سلام ہو-''

اللہ جل شانہ نے تمام پیغمبروں کو سلامتی سے نوازا' فرمایا.....:

﴿ وسلام علی المرسلین ﴾ (طٰہٰ: ۱۸۱)

'' اور پیغمبروں پر سلام ہو''

رسول اکرمؐ پر دائمی سلامتی کا اعلان اس طرح ہوا:

﴿ ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی یاایھاالذین امنو صلو ا علیہ وسلمو ا تسلیماً ﴾ (الاحزاب: ٥٦)

'' اللہ جل شانہ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں' اے اہل ایمان! تم

بھی پیغمبرؐ پر درود وسلام بھیجا کرو''

ہم عرض یہ کررہے تھے کہ جب بھی کسی پیغمبر پر مشکل وقت آیا' اللہ تعالیٰ نے اسے لفظ ''سلامتی'' سے نوازا -لہٰذا'' سلام'' دراصل دین اور دنیا اور اخرت کی سلامتی کا ضامن ہے-اس لیے تمام مسلمانوں کو ملاقات کے وقت ایک دوسرے کی سلامتی کی دعا مانگنے کا حکم دیا گیا -تا کہ مسلمان ہر قسم کے مصائب وآلام سے دنیا میں امن میں رہے اور اس کی اخروی زندگی بھی سلامتی سے ہمکنار ہو-

سلام کی اہمیت کا اندازہ اس سے لا گیا جا سکتا ہے کہ پیدائش آدم u سے اللہ تعالیٰ نے اس بات کا حکم دیا' یہ دنیا کی ہر شریعت میں معمول رہا' نبی اکرمؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو مدینہ طیبہ کی گلیوں میں اونٹنی پر سوار تبلیغ کا سب سے پہلا یہ جملہ تھا:

﴿یا ایھا الناس افشوا السلام ..... تدخلوا الجنة بسلام﴾ (ترمذی)

'' اے لوگو! سلام کو عام کرو.....تم جنت میں سلامتی سے داخل ہو جاؤ گے-''

سلام کرنے کی حکمت

سلام سے انسان ایک دوسرے کے قریب آتا ہے-باہم پیار ومحبت پیدا ہوتی ہے-رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے.....:

لا تدخلون الجنة حتیٰ تؤمنوا ولا تومنوا حتی تحابوا ألا ادلکم علی شئی إذا فعلتموہ تحاببتم أفشوا السلام بینکم (مسلم)

''تم اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہو گے جب تک ایمان نہ لاؤ گے اور اس وقت تک مومن نہ ہو گے جب تک تم ایک دوسرے سے محبت نہ کرو گے کیا میں

تمہیں وہ بات نہ بتاؤں کہ جس پر عمل کرنے سے تم باہم محبت کرنے لگو یہ کہ سلام کو خوب پھیلاؤ"

دوسری جگہ آپؐ کا فرمان ہے:

" ان افضل الأعمال إطعام الطعام و تقرأ السلام على من عرفت و من لم تعرف" (بخاری ، مسلم)

" سب سے افضل ترین عمل کھانا کھلانا اور تو ہر اس آدمی (مسلمان) کو سلام کہے جسے تو جانتا ہے اور جسے تو نہیں جانتا"

صحابہ کرام کے بارے میں آتا ہے کہ جب چلتے ہوئے راستے میں کوئی درخت یا کوئی ٹیلہ ایسا آجاتا تو وہ دائیں بائیں سے گزرنے کے بعد ملتے وقت ایک دوسرے کو" سلام" کہتے تھے۔سیدنا انسؓ سے روایت ہے

كان اصحاب رسول الله يتماشون فاذا لقيتهم شجرة او اكمة تفرقوا يميناً و شمالاً فاذاالتقوامن ورائها يسلم بعضهم على بعض(سبل السلام جلد ١ ص: ٢٢١)

سنن ابی داؤد کی حدیث میں ہے:

اذا لقى احدكم اخاه فليسلم عليه فان حالت بينهما شجرة او جدار او حجر ثم لقيه فليسلم عليه (سبل السلام جلد: ٤ ص: ٢٢١)

"جب تم میں سے کوئی آدمی اپنے ساتھی کو ملے، اسے چاہئے کہ اپنے ساتھی کو سلام کہے، اگر درمیان میں کوئی درخت یا دیوار یا پتھر حائل ہوجائے، تو پھر (بھی) ملاقات پر اپنے ساتھی کو سلام کہے"

حدیث میں بھی آیا ہے:

اذا قعد احدکم فلیسلم و اذا قام فلیسلم

''جب تم میں سے کوئی مجلس میں آ کر بیٹھے تو (پھر) سلام کہے اور جب رخصت ہونے کے لئے اٹھے تو سلام کہے''

عرب ممالک، خصوصاً سعودی عرب میں ان احادیث پر عمل روزمرہ کے معمولات میں داخل ہے- یہاں تک دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر ایک آدمی گلا صاف کرنے کیلئے بھی مجلس سے اٹھا تو واپسی پر اس نے سلام کہا- ہمارے ہاں یہ مسائل عوام کے علم میں نہیں ہیں-لہٰذا ہمارے ہاں سلام صرف اس آدمی کو کہا جاتا ہے جس سے کوئی واقفیت ہو، اجنبی آدمی کو ہم سلام نہیں کہتے، جبکہ نبی اکرمؐ نے یہ تلقین فرمائی کہ افضل عمل یہ ہے کہ تو ہر اس آدمی کو سلام کہے جسے تو جانتا ہے اور جسے تو نہیں جانتا -قرآن مجید میں اس بات کا تذکرہ کثرت سے موجود ہے کہ جنت کی بولی سلام، سلام ہوگی اور جنت کے داروغے اہل ایمان کو خوشخبریاں سنائیں گے-

﴿ وقال لهم خزنتها سلامٌ عليكم طبتم فادخلوها خلدين ﴾(زمر: ٧٣)

'' تو جنت کا داروغہ ان سے کہے گا تم پر سلام ہو، تم بہت اچھے رہے اب اس میں ہمیشہ کیلئے داخل ہو جاؤ''

﴿ ادخلوها بسلام ذٰلك يوم الخلود ﴾ (ق: ٣٤)

'' اس (جنت) میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے''

﴿ ونادوا اصحاب الجنة ان سلامٌ عليكم ﴾(الاعراف: ٤٦)

''تو وہ اہل بہشت کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو''

﴿دعواهم فيها سبحانك اللهم و تحيتهم فيها سلام﴾ (یونس: ۱۰)

''جب وہ ان میں نعمتوں کو دیکھیں گے تو بے ساختہ کہیں گے'' سبحان اللہ'' اور آپس میں ان کی دعا'' سلام'' ہوگی''

﴿لا يسمعون فيها لغواً ولا تاثيماً الا قيلا سلاما سلاما﴾ (واقعه: ۲۶)

''وہاں نہ بیہودہ بات سنیں گے اور نہ گالی گلوچ' ہاں ان کا کلام سلام' سلام ہو گا''

﴿سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقى الدار﴾ (الرعد: ۲۴)

''(کہیں گے) تم پر سلامتی ہو یہ تمہاری ثابت قدمی کا بدلہ ہے اور عاقبت کا گھر بہت خوب ہے''

﴿خالدين فيها باذن ربهم تحيتهم فيها سلام﴾ (ابراهيم: ۲۳)

''اپنے پروردگار کے حکم سے ہمیشہ ان (باغات میں) رہیں گے وہاں ان کا ملنا سلام' سلام ہوگا''

﴿ان المتقين فى جنات و عيون ادخلوها بسلام آمنين﴾ (الحجر: ۴۶)

''جو متقی ہیں وہ باغوں اور چشموں میں ہوں گے' ان سے کہا جائے گا کہ ان میں سلامتی سے داخل ہو جاؤ''

﴿ ویقولون سلام علیکم ادخلوا الجنة بما کنتم تعملون ﴾

النحل: ۳۲)

''فرشتے بوقت نزع مسلمانوں کو یہ خوشخبری سناتے ہیں وہ'' السلام علیکم'' کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو عمل تم کیا کرتے تھے ان کے بدلے میں بہشت میں داخل ہو جاؤ۔''

ہماری نماز بھی سلام سے بے نیاز نہیں ہے۔ (یعنی نماز کا اختتام السلام علیکم ورحمۃ اللہ دائیں' بائیں کہنے سے ہوتا ہے) ہم تشہد میں نبی اکرم ﷺ کے لئے' تمام صالحین کے لئے اور اپنے لئے سلامتی کی دعا کرتے ہیں:

''التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین

''تمام عبادتیں' ساری دعائیں اور پاکیزہ کلمات اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔ اے نبیؐ آپ پر سلام ہو اور اللہ جل شانہ کی رحمت اور اس کی برکتیں آپ پر نازل ہوں' سلام ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے بندوں پر بھی ہو''

نبی اکرمؐ کے ذریعے تمام نیک بندوں کے لئے سلامتی کا پیغام یوں قرآن میں آیا ہے:

﴿ قل الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ﴾

النحل: ۵۹)

'' آپ کہہ دیجئے سب تعریف جل شانہ ہی کو سزاوار ہے اور اس کے منتخب بندوں پر سلام ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا.....:

﴿ تحیتهم یوم یلقونه سلام واعدلهم اجراً کریماً ﴾(

الاحزاب: ٤٤)

" جس روز وہ ان سے ملیں گے ان کا تحفہ (اللہ کی طرف سے) سلام ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے انکے لئے بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے"..............اور جگہ فرمایا......:

﴿ اولئك یجزون الغرفة بما صبروا ویلقون فیها تحیة و سلاماً ﴾(الفرقان: ٧٥)

" ان کے صبر کی وجہ سے انہیں بالا خانہ عطا کئے جائیں گے اور انہیں دعا اور سلام کے تحفے ملیں گے۔"

"سلام" اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے۔اللہ تعالیٰ ہر قسم کی سلامتی اور عافیت کا سرچشمہ ہے' اس لئے ہر نماز کے بعد رسول اکرم ؐ نے یہ دعا مانگنے کا حکم دیا:

اللهم انت السلام و منك السلام تبارکت یا ذالجلال والاکرام (مسلم)

" اے اللہ! تو سلامتی کا منبع ہے اور سلامتی تیری ہی طرف سے ہے' اے عزت اور بزرگی کے مالک تیری ذات ہی بابرکت ہے"

ان آیات و احادیث کا احاطہ بہت مشکل ہے جن میں سلام کی اہمیت بیان ہوئی ہے۔معلوم ہوا کہ جنت میں ہر طرف سلامتی ہی سلامتی کی صدائیں ہونگیں تو پھر کیوں نہ ہم دنیا میں بھی انہی صداؤں کو عام کریں۔

سلام کے آداب

قرآن وسنت نے صرف " سلام" کی اہمیت ہی بیان نہیں کی بلکہ " سلام"

کے آداب کی طرف بھی ہماری رہنمائی کی ہے سورۂ نساء میں فرمایا.....:

﴿ واذا حییتم بتحیة فحیوا باحسن منها او ردوها﴾(النساء: ٨٦)

''اور جب تمہیں کوئی ایک'' سلام'' کہے تو تم اس کے ''سلام'' کا بہتر انداز سے جواب دو یا کم از کم اتنا ہی لوٹا دو' بے شک اللہ جل شانہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے''

اس سے مفسرین نے استنباط کیا ہے کہ سلام کرنا سنت ہے اور سلام کا جواب دینا واجب ہے لیکن بعض محدثین نے ان احادیث سے جن میں سلام کہنے کا حکم ہے مثلاً:

''افشوا السلام'' ان تقرا السلام علی من عرفت ومن لم تعرف'' اور فسلم علیہ''

سے استدلال کیا ہے کہ چونکہ یہ قولی احادیث ہیں اس لئے'' سلام'' کرنا واجب بھی ہے۔

سلام کا بہتر جواب

رسول اکرم سے پوچھا گیا کہ اے اللہ کے نبیؐ! سلام کا بہتر جواب کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا:'' جو آدمی آپ کو'' السلام علیکم'' کہے' آپ اسے یوں جواب دیں ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ'' اگر کوئی آپ کو'' السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہے تو آپ اس کو جواب دیں'' وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' صحابہ نے عرض کیا اگر کوئی اس طرح سلام کرے'' السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' تو رسول اکرمؐ نے فرمایا'':' چونکہ اس نے آپ کے لئے فضیلت کا کوئی کلمہ نہیں چھوڑا' لہٰذا آپ اسے کہیں: وعلیکم'' (یعنی جتنا سلام تم نے مجھے کیا اتنا ہی آپ پر ہو)

چھوٹا بڑے کو سلام کرے

حدیث میں ہے:

کہ چھوٹے پر لازم ہے کہ وہ اپنے سے بڑے کو سلام کہے اور جو آدمی پیدل چل رہا ہے' اس پر لازم ہے وہ بیٹھے ہوئے کو سلام کہے اور جو تعداد میں تھوڑے ہوں' ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے سے زیادہ کو سلام کہیں' اور مسلم شریف کی ایک روایت میں آیا ہے کہ سوار پیدل کو سلام کہے''(بلوغ المرام باب لأ دب)

ایک اور حدیث میں آپ کا فرمان ہے:

و من لم یوقر کبیر نا ولم یرحم صغیر نا فلیس منا

''اور جو آدمی اپنے سے بڑے کا احترام نہیں کرتا اور چھوٹے پر رحم نہیں کرتا وہ ہماری امت کا فرد نہیں''

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ چھوٹوں پر بڑوں کا احترام لازم ہے' اسی لئے چھوٹوں پر لازم کیا گیا کہ وہ بڑوں کو ''سلام'' کہیں۔ لیکن چھوٹے بچوں کی تربیت کے لئے یہ بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ بڑے چھوٹوں کو سلام کہیں۔ اس طرح ان کی سلام کرنے کی عادت پختہ ہوگی اور وہ خود بڑوں کے احترام میں انہیں ''سلام'' کرنے میں پہل کریں گے۔

سوار پیدل کو سلام کہے

اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا......:

''پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور سوار پیدل کو سلام کہے''

اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بیٹھنے والے کو کبھی آنے والے شخص سے ضرر (نقصان وغیرہ) کا خطرہ ہو سکتا ہے تو سلام کہنے سے ضرر (یعنی تکلیف) کا خطرہ

جاتا رہے گا۔

ماہرین نفسیات نے کہا: "جو آدمی جتنی حرکت میں ہوتا ہے اس کا دماغ اتنی ہی اونچی پرواز کرتا ہے" تو اس لئے ایسے آدمی کے سر میں سمائے ہوئے "غرور" کو نکالنے کے لئے یہ حکم دیا: "پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور سوار پیدل کو سلام کہے" تاکہ اگر اس کے دماغ میں کوئی غرور کی بو ہے تو نکل جائے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ؐ نے فرمایا......:

البادی بالسلام بری من الکبر

"سلام میں پہل کرنے والا فخر و غرور سے بری ہے"

۱۔ اگر دو پیدل چلنے والے اور دو سوار باہم ملیں تو جو آدمی دین و شریعت کے لحاظ سے مقام و مرتبے میں بلند ہے تو پھر دوسرے آدمی کو چاہئے کہ وہ اسے پہلے سلام کہے۔ کیونکہ شریعت میں دینی مقام کا احترام اور لحاظ لازم ہے یہی سلام کی حکمت بھی ہے۔ اسی لئے نبی اکرم ؐ نے امیر کے احترام کا حکم دیا۔ فرمایا": قوموا الی سیدکم۔ (بیہقی)

۲۔ اگر دو ملاقات کرنے والے مقام و مرتبے میں برابر ہوں تو حدیث میں آتا ہے کہ" وخیرھما الذی یبد بالسلام" (بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے) سیدنا جابرؓ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

" الماشیان اذا اجتمعا فایتھما بداء بالسلام فھو افضل"

(دو پیدل چلنے والے جب آپس میں ملاقات کریں تو سلام میں پہل کرنے والا افضل ہے)

ترمذی شریف میں ہے:

ان أولی الناس بالله من بدأ بالسلام"

" لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کی نظر میں وہ بہتر ہے جو سلام میں پہل کرے۔"

طبرانی میں ہے کہ صحابہ کرمؓ نے آپؐ سے عرض کیا کہ اے اللہ تعالیٰ کے نبیؐ .....! جب ہم ملاقات کریں تو " سلام" میں کون پہل کرے؟ آپؐ نے فرمایا.....:

اطوعکم للہ تعالیٰ" (جو تم میں سے اللہ تعالیٰ کا زیادہ فرمانبردار ہے)

موجودہ دور کے اعتبار سے اس کی تشریح یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ جو آدمی جتنی بڑی سواری پر سوار ہو اتنا ہی اس کا سر فخر سے بلند ہوسکتا ہے' اس لئے گاڑی کا سوار کار کے سوار کو سلام میں پہل کرے' کار کا سوار موٹر سائیکل کے سوار کو سلام میں پہل کرے' موٹر سائیکل سوار سائیکل سوار کو" سلام" میں پہل کرے' اس طرح اونٹ پر سوار گھوڑے پر سوار آدمی کو سلام میں پہل کرے' تاکہ دماغ کا فتور جاتا رہے اور یہی سلام کا مقصد ہے۔

۳۔ اگر جماعت کی طرف سے ایک آدمی اونچی آواز سے سلام کہے تو ساری جماعت کے لئے کافی ہو جاتا ہے' دوسری طرف سے بھی اگر ایک آدمی اونچی آواز سے جواب دے تو جماعت کی طرف سے کافی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح تعداد میں کم لوگوں کو اپنے سے زیادہ کو سلام کہنے کا جو حکم دیا تو اس کی وجہ" اکرام جماعت" ہے اسے محدثین نے" سنت کفایہ" قرار دیا ہے یہ صورت بھی" فرض کفایہ" کی طرح ہے۔ جیسے نماز جنازہ میں گھر کا اگر ایک فرد شریک ہو تو سب کی طرف سے نماز جنازہ ادا ہو جاتی ہے' اسی طرح جماعت میں سے ایک آدمی کے سلام کہنے اور ایک آدمی کے جواب دینے سے سنت پوری ہو جائے گی مگر یہ یاد رہے کہ اس کا یہ معنی ہرگز نہیں

کہ باقی جماعت بالکل خاموش رہے' اگر سارے سلام کہیں اور سب جواب دیں تو یہ اولیٰ اور افضل ہے۔

غیر مسلموں کو سلام

اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کو سلام کہنے میں پہل نہیں کرنی چاہئے' اس کا سبب یہ ہے کہ سلام سلامتی کی دعا ہے' امن اور عافیت کا پیغام ہے جو غیر مسلموں کے لئے جائز نہیں۔ ہاں اگر کسی مخلوط محفل میں مسلمان' مشرک' بتوں کے پجاری' یہودی اور عیسائی موجود ہوں تو سلام کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ سیدنا اسامہ سے روایت ہے:

ان رسول اللہ مر بمجلس فیه اخلاط من المسلمین و المشرکین عبدة الاوثان و الیهود فسلم علیه۔ (بخاری' مسلم)

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر اہل کتاب تمہیں راستے میں سلام کہنے میں پہلے کریں تو تم انہیں "وعلیکم" کہہ دو" اذا سلم علیکم اهل الکتاب فقولوا وعلیکم"

بخاری شریف میں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے' آپؐ نے فرمایا.....:

" اذا سلم علیکم الیهود فانما یقول أحدکم السّام علیکم فقل وعلیك"

"جب تمہیں یہود "سلام" کہیں تو ان میں سے اگر کوئی یہ کہے "السام علیک" (تم پر ہلاکت ہو) تو "وعلیک" کہہ دو"

جمہور ائمہ کرام کا خیال ہے کہ اہل کتاب کو سلام کی ابتداء کرنا جائز نہیں' لیکن بعض شافعیہ کے مطابق سلام میں پہل جائز ہے اور صرف "السلام علیکم" کہے' ابن عباسؓ وغیرہم کا یہی مذہب ہے۔ قاضی عیاضؒ نے ایک جماعت سے بیان کیا ہے

کہ ضروریات اور حاجت کے وقت سلام میں پہل جائز ہے مگر'' ورحمہ اللہ'' کے الفاظ نہ کہے۔

یہ جو فرمایا کہ انہیں تنگ راستے سے گزرنے پر مجبور کرو تو یہ اسلام کی سرفرازی (Supremacy) کا مسئلہ ہے' اسلام زمانے میں دبنے کے لئے نہیں آیا' فرمان الٰہی ہے:

﴿ هو الذی أرسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله﴾ (الفتح: ۲۹)

کا تقاضا ہے کہ اسلام کا یہ مقام اور مرتبہ دنیا پر عیاں ہو۔ نیز یہ صورت ایسے معاشرے میں وجود پذیر ہو سکتی ہے جہاں مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کی مشترکہ رہائش ہو اور مسلمان حکمران ہوں۔ لیکن اگر یہود و نصاریٰ مہمان کی حیثیت سے ملک میں آئیں تو مہمان کے احترام کے ناطے سے ان سے یہ سلوک نہیں ہونا چاہئے نجران کے عیسائیوں کا وفد جب رسول اکرمؐ کے پاس آیا تھا تو آپؐ نے انہیں مسجد نبویؐ میں ٹھہرایا اور خود ان کی میزبانی فرماتے رہے۔ لہٰذا ہمارے ہاں اگر کوئی وفد آ جائے تو اس کا معنی یہ نہیں کہ انہیں تنگ راستوں سے گزرنے پر مجبور کر دیا جائے۔

گھر میں داخل ہونے سے پہلے سلام کہنا

آداب سلام میں سے یہ بھی ہے کہ گھر میں داخل ہوتے وقت اور گھر سے باہر نکلتے وقت اہل و عیال کو'' سلام'' کہنا چاہئے۔ سورہ نور میں ارشاد ہے.....:

﴿ فاذا دخلتم بیوتاً فسلموا علی انفسکم تحیة من عند الله مبارکة طیبة﴾ (النور: ٦١)

"جب تم گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے گھر والوں کو سلام کہو' یہ اللہ کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے"

شریعت کا یہ حکم ہے کہ اپنے گھروں کے علاوہ جب کسی دوسرے کے گھر میں جانا مقصود ہو تو بلا اجازت کسی کے گھر میں داخل نہ ہو' اور اجازت مانگنے کا سلیقہ یہ ہے کہ دروازے سے باہر کھڑے ہو کر گھر والوں کو اونچی آواز سے سلام کہا جائے' جس کے الفاظ یہ ہوں: السلام علیکم یا اھل البیت" فرمان باری ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَدْخُلُوا۟ بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا۟ وَتُسَلِّمُوا۟ عَلَىٰٓ أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴾ (النور: ۲۷)

" اے ایمان والو! جب اپنے گھروں کے سوا دوسرے لوگوں کے گھروں میں جانا مقصود ہو تو اہل خانہ سے اجازت لئے بغیر اور ان کو" سلام" کہے بغیر داخل نہ ہوا کرو' یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اپنے یا غیر کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے" سلام" کہنا ضروری ہے۔ بخاری شریف میں سیدنا عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ اگر گھر میں کوئی آدمی موجود نہ ہو تو پھر بھی سلام کہنا چاہئے' اس لئے کہ فرشتے اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں:

طبرانی میں ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اگر مسافر کے دل میں یہ گمان ہو کہ وہ بیٹھے ہوئے آدمی کو سلام کہے گا اور وہ اسے جواب نہیں دے گا تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا یہ گمان چھوڑ دے اور سلام کہے' ہو سکتا ہے کہ اس کا گمان غلط ہو' اور اگر وہ اسے سلام کا جواب نہیں دے گا تو فرشتے اس کو جواب دیں گے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ

جس آدمی کو یہ گمان ہو کہ جسے وہ سلام کہے گا اور وہ اس کا جواب نہیں دے گا تو اس کو سلام نہیں کہنا چاہئے' اس کا سبب غالبًا دوسرے آدمی کو گناہ سے بچانا ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں- کیونکہ ایسی باتوں پر شرعی حکم کو ترک نہیں کیا جا سکتا- ابن دقیق العیدؒ کا بھی خیال ہے کہ ایک مسلمان کو جو سلام کا جواب نہ دینا چاہے' گناہ میں گھسیٹنا سلام کی مصلحت سے زیادہ سخت ترین ہے-

لوگوں کو سلام نہیں کرنا چاہئے

سلام کے آداب میں امام نوویؒ نے یہ فرمایا ہے:'' کھانے اور پینے میں مصروف' بیت الخلا یا حمام میں داخل' سوئے ہوئے' نماز میں مصروف اور اذان دینے والے کو سلام نہیں کرنا چاہئے' بیت الخلا یا حمام میں موجود آدمی کو اس وقت تک جواب دینے کی ضرورت نہیں جب تک وہ تہبند نہ باندھ لے (یہ اس صورت میں ہے جب کسی نے اس پر سلام کہہ دیا ہو) خطبہ جمعہ میں سلام کہنے کو مکروہ سمجھا گیا ہے- کیونکہ جمعہ کا خطبہ خاموشی سے سننا ضروری ہے- اگر کوئی سلام کہے تو اس کا جواب دینا واجب نہیں- اسی طرح تلاوت قرآن مجید میں مشغول آدمی کے بارے میں واحدی کا قول یہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اس کو سلام نہ کیا جائے اور اگر کوئی اسے سلام کہہ دے تو تلاوت کرنے والا صرف اشارے سے جواب دے' لیکن اگر وہ'' وعلیکم السلام'' سے جواب دیتا ہے تو اسے چاہئے کہ پھر اعوذ باللہ پڑھ کر تلاوت شروع کرے- بہر صورت اس میں علماء کا اختلاف ہے- امام نوویؒ کا خیال یہ ہے کہ اس کو سلام کہنا بھی جائز ہے اور اس کو'' سلام'' کا جواب دینا بھی واجب ہے-

غصے میں کیا کرنا چاہئے

یہ انسان کی فطرت ہے کہ اسے غصہ آتا ہے اور بسا اوقات دوستوں' بھائیوں کا

آپس میں اختلاف بھی ہوتا ہے اس اختلاف سے ایک دوسرے سے بول چال اور گفتگو ختم ہو جاتی ہے- ایسی صورت میں سلام کرنا تو درکنار انسان سلام کا جواب دینا بھی گوارا نہیں کرتا' شریعت نے انسان کی اس نفسیات کا لحاظ رکھا ہے نبی اکرمؐ کا فرمان ہے:

لا یحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلث لیلا' یلتقیان فیعرض ھذا و یعرض ھذا و خیر ھما الذی من یبدأ'' (بخاری و مسلم)

''کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع کلام کرے' کہ وہ دونوں آپس میں ملتے ہیں' ایک اس طرح منہ پھیر لیتا ہے اور دوسرا اس طرف منہ پھیر لیتا ہے' اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے-''

گویا شریعت نے تین دن رات تک بائیکاٹ کی اجازت دی اور پھر اس آدمی کو بہتر قرار دیا جو سلام میں پہل کرتا ہے- کیونکہ سلام کا جواب دینے سے غصہ جاتا رہتا ہے فقہاء نے تین دن رات تک بائیکاٹ کی حکمت اس طرح بیان کی ہے کہ پہلے دن غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے' دوسرے روز رجوع پیدا ہوتا ہے اور تیسرے دن وہ اپنے بھائی سے معذرت کر لیتا ہے لیکن تین دن سے زیادہ غصہ حرام ہے عام طور پر معاشرے میں غصے اور ناراضگی کی یہی دلیل ہوتی ہے کہ آپ سلام کہیں اور وہ آپ کو جواب نہ دے- عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے'' روٹھے ہوئے بھائی کی طرف رجوع کرنا دراصل اسے سلام کرنا ہے''

مصافحہ

سلام سے اگلا قدم مصافحہ ہے' عام طور پر مصافحہ کا معنی دو بھائیوں کا آپس میں

ہاتھ ملاتے ہوئے ایک دوسرے کو سلام کہتا ہے' یہ زیادہ محبت اور پیار کی دلیل ہے- اگر لفظ مصافحہ پر غور کیا جائے تو یہ باب مفاعلہ ہے - اس سے مراد باہم ایک دوسرے سے درگذر کرنا ہے- امام راغبؒ نے صفح کا معنی ترک تثریب یعنی الزام اور طعنہ وغیرہ چھوڑ دینا کیا ہے صفح کا معنی کنارہ کش ہونا' الزام سے درگزر کرنا' دل کی کدورتوں' نفرتوں' حسد اور عناد کو دل کی گہرائیوں سے نکال دینے کا دوسرا نام ہے قرآن مجید میں آتا ہے:

﴿ فاعفوا واصفحوا﴾

'' تم معاف کردو اور درگذر کرو-''

نیز صفح کو عفو سے زیادہ بلیغ مانا گیا ہے- پس سلام کے ساتھ ساتھ دو بھائیوں کا آپس میں '' مصافحہ'' کرنا بلاشبہ زیادہ پیار و محبت کی دلیل ہے' اس لئے نبی اکرمؐ نے فرمایا.....:

مامن مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لهما قبل ان یتفرقا'' (ابو داؤد ' ترمذی ' ابن ماجه)

''اگر دو مسلمان آپس میں ملتے ہوئے اخوت دینی کی بناء پر مصافحہ کریں تو وہ جدا ہونے سے پہلے بخش دیئے جاتے ہیں''

پس ہمیں چاہئے کہ اظہار محبت کے لئے سلام کے ساتھ ساتھ '' مصافحہ'' بھی کریں-

معانقہ

'' سلام'' اور '' مصافحہ'' کے ساتھ ساتھ اسلام نے اظہار محبت کا ایک اور طریقہ '' معانقہ'' بھی سکھایا ہے' معانقے سے مراد سلام کہتے ہوئے گردن سے

گردن ملانا ہے' جب کوئی شخص مدت کے بعد ملے یا لمبے سفر سے لوٹے تو اس کے ساتھ اظہار محبت کے لئے آپس میں گلے ملنا (معانقہ) بھی جائز ہے۔

سیدہ عائشہ فرماتی ہیں: سیدنا زیدؓ بن حارثہ مدینہ آئے تو نبی اکرمؐ میرے ہاں تشریف فرما تھے' انہوں نے دروازے پر دستک دی' نبی اکرمؐ نے اس وقت کرتا اتارا ہوا تھا۔ آپؐ اسی حالت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور لپک کر زیدؓ بن حارثہ کو گلے لگالیا اور انہیں چوما:

"فاعتنقه رسول الله وقبله"

اس طرح جب سیدنا جعفر بن ابی طالب ہجرت حبشہ سے واپس تشریف لائے تو "فالتزمه وقبل مابین عینیه" (نبی اکرمؐ ان سے چمٹ گئے اور آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔)

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ محض فیشن یا رسم و رواج کی صورت میں "سام علیکم" اور جواب میں "سام علیکم" کہتے ہیں جو کسی صورت میں شریعت میں جائز نہیں' کیونکہ "سام" کا معنی ہلاکت و تباہی ہے۔ یہودی نبی اکرمؐ سے یہ چال بازی کیا کرتے تھے' اس لئے مسلمان پر لازم ہے کہ وہ واضح طور پر "السلام علیکم" کہے اور جواب دینے والے پر واجب ہے کہ وہ مسنون الفاظ "وعلیکم السلام" کہے۔

ہاں اگر دو بھائی وفور جذبات میں ایک دوسرے کو سلام میں پہل کرتے ہیں تو پھر دونوں کو "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" بھی کہہ دینا چاہئے۔ (واللہ تعالیٰ ولی التوفیق)

عالم اسلام کے اتحاد و اتفاق کی بنیادیں

عمیق نگاہی اور محققانہ گہرائی سے دیکھا جائے اور تاریخ کے اوراق کا ثبوت لیا

جائے تو جو چیز سب سے پہلے نظر آتی ہے اور جو فطرت انسانی میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ جس نے انسان کو فرشتوں سے ممتاز و ممیز کیا وہ علم ہے اور ان لوگوں نے علم سے رہنمائی و یکجائی سے تسخیر کائنات کا کام کیا۔ رموز فطرت کی نقاب کشائی کی۔ تاریکیوں میں بھٹکنے والی انسانیت کی رہنمائی اور ہدایت کے لئے اللہ تعالی نے اپنے ایک برگزیدہ بندے کو منتخب فرمایا اور اسے انسانیت کا امام مقرر کیا۔ یہ انتخاب خداوندی تھا کہ آپ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا اور ایک عالمگیر دعوت کی ذمہ داریاں آپ کو سونپ دی گئیں۔ آپ کی پوری زندگی صداقت' دیانت' امانت اور پاکبازی سے لبریز تھی اور اس میں انتہائی شرافت' امن پسندی' پاس عہد ادائے حقوق اور خدمت اور خدمت خلق کا رنگ بھی غیر معمولی شان کے ساتھ نمایاں تھا۔

پورا عرب جس میں نراج کا دور دورہ تھا اور جس نے ایک جھنڈے اور ایک حکومت کے ماتحت اکٹھا ہونا دیکھا ہی نہیں تھا یک پرچم اسلام کے ماتحت متحد و منظم ہو گیا اور اس نے آپ کی روحانی و سیاسی قیادت کو تسلیم کر لیا۔ قومیت کا بت پاش پاش ہو گیا اور اس کی جگہ پر ایک عالمگیر مسلم برادری کا قیام عمل میں آیا۔ پوری ملت کو ایک معبود' ایک رسول ایک کتاب ایک قبیلے اور ایک مرکز پر جمع کر دیا۔ عوام اور ریاست کے حقوق و فرائض کا تعین ہوا۔ انصاف اور قانون کی حکومت قائم ہوئی اور قانون کے سامنے مساوات کا اصول وضع ہوا۔

آپ ﷺ نے جب اپنے مشن کا آغاز کیا تو آپ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ عربوں کی جاہلی عصبیت' قبائل' رنگ و نسل' زبان' خاندان اور علاقے کے امتیازات تھے اور انہیں بنیادوں پر وہ ایک مستقل جنگ میں مبتلا تھے اور تیزی سے ہلاکت و تباہی کے غار کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے۔ غرضیکہ قبل از اسلام اس

کرہ ارض کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جہاں انسان کسی ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اجتماعی اور انفرادی بہبود کے حصول کے قابل ہو- جو اجتماعی ادارے موجود تھے وہ بھی اپنے اصل مقاصد کے حصول کے ضامن ہونے کی بجائے مزید خرابی، بدحالی اور استحصال کا ذریعہ بنے ہوئے تھے- نظام ہائے حکومت میں حد درجہ کی ابتری پھیلی ہوئی تھی- پوری قوم اپنے اندرونی مسائل ہی میں الجھ کر رہ گئی تھی اور درحقیقت یہ اپنے اندر سے کھوکھلے ہو چکے تھے- مستحکم و معقول اصولوں اور تصور انسانیت سے بے خبر تھے- چنانچہ آپ کی دعوت کے سب سے بڑے دشمن ان کے یہی تصورات و عقائد تھے- آپ نے اسلام کی شمع کو روشن کیا اور جاہلی عصبیت کی بیخ کنی کی-

اسلام نے انسانیت کو زندگی بخشی اور احترام آبرو، عزت و وقار اور خلوص و محبت کا وہ اعلیٰ منشور بخشا جو آج بھی اقوام عالم کی بہبود کا واحد جامع منشور ہے- اسلام نے جو تصور انسانیت بخشا اس میں رنگ و نسل، قوم و علاقہ اور زبان کی کوئی تمیز نہیں ہے تمام انسان بحیثیت انسان برابر ہیں مگر بڑھائی کی بنیاد صرف تقویٰ پر ہے-

یا یھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم (الحجرات: 13)

''اے انسانو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہیں شعبوں اور قبائل میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو- بیشک بڑھائی کی بنیاد صرف تقویٰ پر ہے-''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا.....:

لافضل لعربی علی عجمی و لا لعجمی علی عربی و لا لا حمر علی اسود و لالاسود علی احمر الا بالتقوٰی - (مسند احمد)

''آگاہ رہو کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عرب پر اور کسی سرخ کو کسی کالے اور کسی کالے کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت حاصل نہیں سوائے تقویٰ و پرہیزگاری کے۔''

اسلام کا تصور اتحاد

انسانی مقصدیت کا مذکورہ تصور از خود انسانی اتحاد کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ جب عزت و شرف کا جھگڑا، رنگ و نسل کی فوقیت کا سوال اور علاقائی برتری کا سوال باقی نہ رہے تو اتحاد کی راہیں خود بخود استوار ہو جاتی ہیں۔ اسلام ایک فطری دین ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی ہے کہ جب بھی انسان افتراق و مصلحت کا شکار ہو کر اتحاد کی راہ سے بھٹکے تو خود بخود اس اختلاف کو دور کرنے کا سامان انسانیت کو میسر آ جائے اور یہ انسانی اتحاد انسان کی مقصدیت کے حوالے سے ہو۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے.....:

کان الناس امة واحدة فبعث الله النبین مبشرین و منذرین و انزل معهم الکتب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفوافیه (البقره: 213)

''(پہلے تو سب) لوگوں کا ایک ہی مذہب تھا (لیکن وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے) تو اللہ نے نے (ان کی طرف) بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبر بھیجے اور ان پر سچائی کے ساتھ کتابیں نازل کیں تاکہ جس میں لوگ اختلاف کرتے تھے ان کا ان میں فیصلہ کر دے۔''

جوں جوں فکر و نظر کا اختلاف بڑھا۔ دین حق سے روگردانی شیوہ بنی۔ ہٹ دھرمی نے انسانی قلوب میں جڑ پکڑی تو انسان گروہوں میں بٹتا چلا گیا اور ایک

وقت وہ بھی آیا کہ انسان تمام دنیا سے کٹ کر رہبانیت کی کھوہ میں جا گرا ۔لیکن اسلام نے ان تمام باتوں کی غلطی واضح کی اور ان کے حل کی طرف لوگوں کو دعوت دی ۔اخوت و محبت اور بھائی چارے کا سبق دیا ۔اس وقت بہت سے لوگوں نے اس دین کی مخالفت کی لیکن تھوڑے ہی عرصے میں تمام باطل متحدہ قوتیں اسلام کے مقابلہ میں شکست کھا گئیں ۔ کیونکہ ان کا یہ اتحاد عارضی اور محض اسلام دشمنی کی منفی بنیادوں پر قائم تھا اور آج بھی تقریباً یہی صورتحال موجود ہے ۔

اسلام میں اس اتحاد کو مضبوط بنانے کے لئے سب کے جان و مالک کی بلا کسی امتیاز کے صاحب حرمت قرار دیا ۔فرمایا......:

انہ من قتل نفساً بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعاً و من احیاھا فکانما احیا الناس جمیعاً (المائدہ: 32)

”جس نے کسی کو ناحق قتل کیا (یعنی)بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنیکی سزا دی جائے اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو اس کی زندگانی کا موجب ہوا ۔ گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا ۔“

اسی طرح خود غرضی کے بت کو توڑا اور ایثار و قربانی کی راہ اسلام کی راہ قرار پائی ۔

ویو ثرون علی انفسھم و لو کان بھم خصاصۃ و من یوق شُحَّ نفسہٖ فاولٰئك ھم المفلحون (الحشر: 9)

”اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو ۔اور جو شخص حرص نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے لوگ مراد پانے والے ہیں ۔“

نبی کریمؐ کا ارشاد ہے.....:

لا یومن احدکم حتیٰ یحب للناس ما یحب لنفسہ(مسند احمد)

''خدا کی قسم تم میں سے کوئی اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک لوگوں کیلئے بھی وہی پسند نہ کرے جو کچھ وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔''

لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس - (مشکوٰۃ)

'' اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرے گا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔''

عفوودرگزر دراصل اتحاد کامل کے استحکام کا سبب ہیں-اسلام نے تمام گروہی ودیگر عصبیتوں کا خاتمہ کیا-چنانچہ آپؐ نے فرمایا.....:

لیس منا من مات علی عصبیۃ (ابو داؤد)

'' وہ ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کے لئے مرا۔''

حجتہ الوداع کا خطبہ اتحاد اور امن وسلامتی کا منشور اعظم ہے-انسانیت کا چارٹر اور عصبیت کا قلع قمع کرنے والا منشور ہے-جس میں آپؐ نے فرمایا.....:

''لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے-تمہارا باپ بھی ایک ہے-آگاہ رہو کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ و پرہیز گاری کے۔''

اور وہ تقویٰ کیا ہے؟ خدا خوفی، انسان دوستی، محبت ومروت گویا گروہ امتیاز ہے تو وہی صفت جو اتحاد یگانگت کی ضامن ہے-آپ ﷺ نے فرمایا.....:

ان اللہ قد اذھب عنکم عصبیۃ الجاھلیۃ و فخرھا بالآباء یا ایھا الناس کلکم بنو آدم و ادم من تراب (مشکوٰۃ)

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں سے جاہلی تعصب اور آباؤ اجداد پر فخر کرنے کو دور کر دیا۔ اے لوگو! تم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے۔''

نبی اکرم ﷺ نے اتحاد کے لئے جو ہدف مقرر فرمایا ہے وہ ایک مثالی ہدف ہے۔ جس کے حصول کے بعد انسانی معاشرہ کمال تک پہنچ جاتا ہے۔

ترى المومنين فى تراحمهم و توادهم و تعاطفهم كمثل الجسد اذا اشتكى عضو منه تداعى له سائر الجسد بالسهر و الحمى (متفق عليه)

'' مومنوں کو ایک دوسرے پر رحم کرنے' ایک دوسرے سے محبت رکھنے اور ایک دوسرے سے شفقت برتنے میں آپ ایک جسد واحد کی طرح دیکھتے ہیں کہ جب اس کا ایک عضو درد کرتا ہے تو اس کی وجہ سے سارا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''

'' ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایسے ہے جیسے دیوار جس کے اجزاء ایک دوسرے کو مضبوط کرتے ہیں۔'' (بخاری' مسلم)

المسلم اخو المسلم لا يظلمه و لا يسلمهٗ و من كان فى حاجة اخيه كان الله فى حاجته (متفق عليه)

'' ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ خود اس پر ظلم کرے اور نہ اسے ظلم کے حوالے کرے۔ اور جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی حاجت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کریں گے۔''

البتہ اس اتحاد میں مقصدیت کو حد فاصل قرار دیا۔ انسانی بہبود کے اعلیٰ پروگرام کے دشمنوں سے اتحاد ممکن نہیں ہے۔

لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء (ال عمران: 28)

''مومن کافروں کو دوست نہ بنائیں۔''

یہ ایک ایسا اصول ہے جس کو پیش نظر رکھ کر کوئی مسلمان نہ تو دھوکہ کھا سکتا ہے۔ اور نہ آپس میں بغض وحسد کی آگ بھڑگ سکتی ہے۔مخالفت کے جراثیم پنپ نہیں سکتے ۔کسی غیر مسلم پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ان لوگوں کو دوست کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔غرضیکہ ان کے ساتھ کسی قسم کا لین دین کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ کیونکہ یہ مسلمانوں کے کبھی بھی خیر خواہ نہیں ہو سکتے ۔ اتحاد کی تین بنیادیں توحید' رسالت اور وحدت ومساوات نسل انسانی کے بعد قرآن حکیم کو بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو ذکر اللعالمین ہے اور جو ساری نسل انسانی کو تاریکی سے نکال کر ہدایت ونور کی راہوں پر ڈال دیتی ہے اور یہی وہ کتاب ہے جو ہماری پوری زندگی کا آئین ہے۔اسی سے ہم زیر گردوں سرفراز وسربلند ہیں یہ وہ زندہ کتاب ہے جس کی حکمت لایزال وقدیم ہے اور اسی پر عمل پیرا ہو کر ہمارے اسلاف نے عزت وشرف حاصل کیا تھا اور آج بھی اس پر عمل کر کے ہم ہر طرح کی کامیابی وکامرانی حاصل کر سکتے ہیں۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس دور میں جبکہ انسان نے کرہ ارض کے چپہ چپہ کو اپنی موجودگی کا احساس دلا دیا ہے اور فاصلے اتنے کم ہو گئے ہیں کہ ہزاروں میل کی مسافت بھی روبرو گفتگو مانع نہیں ہے۔وقت کی اہمیت نے زندگی کی دوڑ کو تیز تیز کر دیا ہے۔تمام دنیا ایک بستی سے زیادہ معلوم نہیں ہوتی ۔انسان پل پل سے باخبر ہے۔لیکن مشینوں کی حکومت سیاست نے احساس ومروت کے جزیات کو کچل کر رکھ دیا ہے۔انسان سائنس کا حاکم بننے کی بجائے محکوم بن گیا ہے۔اس کا نتیجہ ہے کہ

جہاں مادی دوریاں گھٹ گئی ہیں وہاں قلوب واذھان کی دوریاں بڑھ گئی ہیں- معیارزندگی بلند سے تر اوروسائل وآرام وآسائش کی ارزانی نے انسان کوجنگل اور پتھر کے زمانے سے نکال کرترقی یافتہ دورمیں داخل کردیا ہے-لیکن روحانی وحشت آج تاریک کے غیر متعدن دور سے کہیں زیادہ ہے-

آپ ﷺ نے جس نہج پر اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تھی-آپ کی وفات کے بعد اسی ملت کے افراد نے آپ ﷺ کے شروع کیے ہوئے کام کو جاری رکھا- اور پوری نسل انسانی کوتوحید خداوندی' وحدت نسل انسانی 'شرف انسانیت' عدل و مساوات' رواداری' خوش معاملگی اور دیگر اعلیٰ روحانی 'اخلاقی اورانسانی اقدار کی تعلیم دینے کا سلسلہ جاری رکھا-اس وقت کی بڑی طاقتوں نے اس حکومت سے ٹکر لی لیکن تاریخ عالم نے یہ نظارہ دیکھا کہ ریگزاروں سے اٹھنے والی یہ ملت جس کی آبیاری خاتم الانبیاء کے ہاتھوں ہوئی تھی دیکھتے ہی دیکھتے ان حکومتوں پر چھا گئی- اس عظیم حکومت کی سرحدیں مشرق میں چین'مغرب میں فرادس کی خلیج لیکے'شمال میں بحرہ آرال اورجنوب میں عدن تک پھیلی ہوئی تھیں اوراسمیں تین براعظموں ایشیاء' افریقہ اور یورپ کے وسیع وعریض اور زرخیز و شاداب خطے شامل تھے اوران کی لاکھوں مساجد سے اسلام کی سچائی کی آوازیں بلند ہوئی تھیں-

آج چودہ سو برس گزر جانے کے بعد بھی اس عظم مدبر اورھادی کے ماننے والوں کوپس پشت نہیں ڈالا جاسکتا-بالخصول جبکہ

۱-دنیا کی کم وبیش چوتھائی آبادی آپؐ کواپنے لئے اسوہ حسنہ سمجھتی ہے اور ان کے دیئے ہوئے قانون کواحترام کی نگاہ سے دیکھتی ہے-

۲-آپ کے پیروکارمشارق ومغارب ارض میں پھیلے ہوئے ہیں

۳-پرانی دنیا کی اکثر اہم شاہراہوں پر سیاستاً یا سکونتاً انہیں کا قبضہ ہے-

۴-پیروان اسلام کی اکثریت جنگی نسلوں پر مشتمل ہے-

۵-دنیا کی سب سے مفید اور قیمتی دولت تیل کی پیداوار کا کثیر ترین حصہ انہیں کے حصے میں آیا ہے-

۶-یہ ملت عظیم الشان اور قابل رشک تاریخ رکھتی ہے-

۷-یک نسلی نہ رکھنے کی وجہ سے اس ملت کا کوئی نہ کوئی حصہ نئی زندگی کا ثبوت دیتا رہتا ہے-

۸-اور اس کا پھیلاؤ ابھی رکا نہیں-اس کے بعض طبقات میں انتہائی ناساز گار مقامات پر زبردست اور منتظم دشمنوں کو شکست دینے کی صلاحیت ابھی باقی ہے-

یہ سرا رفیض اس ہستی کا ہے جسے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے اور جسے پوری نسل انسانی کی اصلاح' ہدایت اور تعمیر و ترقی کے لئے بھیجا گیا تھا-یہ حقیقت ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے غیر مسلم اقوام یا افراد پر بھروسہ کیا ہمیشہ دھوکہ کھایا ہے-یہ بات اسی وقت تک حق و سچ ہے اور آئندہ بھی رہے گی-پھر مسلمان حکومتوں نے ان کے خلاف جہاد کا سلسلہ جاری رکھا- صلیبی جنگیں' سقوط بغداد کے بعد پھر سے اتحاد کی کوششیں اور پھر عثمانی ترکوں کی خلافت اور شان و شکوہ اسکی بہترین مثالیں ہیں-خلافت کے خاتمے کے بعد پورا عالم اسلام چیخ اٹھا اور صدائے احتجاج بیک آواز بلند ہوئی اور مظاہرے ہوئے اور یہ صرف ایک احساس تھا کہ ہم ملت واحدہ ہیں-ہر دور میں اتحاد عالم اسلامی کے لئے تحاریک اٹھیں اور مختلف افراد ان میں توانائیاں صرف کرتے رہے-مختلف انجمنیں وجود میں آتی رہیں-

آج اگر ہم اپنے گردوپیش کا جائزہ لیں اور عالمی سیاسی حالات پر نظر ڈالیں تو

ہمیں معلوم ہو گا کہ وہ تمام مقامات جہاں پر مسائل و مشکلات اور جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں وہ تمام کے تمام عالم اسلام میں واقع ہیں اور غیر مسلم طاقتیں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت دنیا کے مسلمانوں کو ایک دوسر سے دور رکھ کر الجھانے کی پوری کوشش کر رہے ہیں- مسئلہ کشمیر، مسئلہ فلسطین، فلپائن اور بوسنیا و کسوو کے مسلمان عیسائیوں کے غلبے تلے سسک رہے ہیں اور دنیا میں نہ جانے کتنی ریاستیں ایسی ہیں جن میں مسلمان اکثریت کا تناسب 55 فیصد سے 80 فیصد تک ہے لیکن وہاں کی حکومتیں غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہیں- اور یہ طاقتیں عالم اسلام کو ان مسائل سے دور رکھنے کے لئے اپنے داؤ پیچ استعمال کرتی رہتی ہیں-

اگر ہم تمام مسلمان ممالک اور مسلمانان عالم کے وسائل کا اندازہ لگائیں تو بلاشبہ آبادی کا تناسب ایک اور چھ کا ہو گا- اقوام متحدہ میں مسلمان ممالک کی تعداد تقریباً 55 ہے جبکہ کل تعداد 150 ہے -وسائل کے اعتبار سے مسلمان ممالک کے پاس تمام خزانے ہیں تیل کی پیداوار تمام دنیا کا 75 فیصدی مسلمان ممالک میں ہے-لوہا، جپسم، سونا، یورنیم، تانبا، فاسفیٹ، جواہرات، دھاتیں، گیس، زرعی پیداوار کی بہترین صلاحتیں اور پیداوار، افرادی قوت، سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی، جبل الطارق، شرق اوسط، نہر سویز کی تجارت اور خشک و گرم بندرگاہوں کی وافر مقدار موجود ہے لیکن آج ان تمام وسائل سے کفر کی طاقتیں بہرہ مند ہو رہی ہیں اور ان کے وسائل کی طاقت انہیں کے خلاف استعمال ہو رہی ہے-مسلمان ممالک کے وسائل کا مختصر اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے-

۱-مسلم اور غیر مسلم آبادی کا تناسب ایک اور چھ کا ہے

۲-اقوام متحدہ میں مسلم کا تناسب ایک اور تین کا ہے- کیونکہ اقوام متحدہ میں

رکن ممالک کی تعداد 150 ہے۔جس میں سے 55 مسلم ممالک ہیں۔

۳۔وسائل کے اعتبار سے تیل کے 80 ذخائر مسلمان ممالک کے پاس ہیں۔

۴۔چاول کی پیداوار تقریباً 80 فیصد مسلمان ممالک میں ہے۔

۵۔پٹ سن کی وسیع پیداوار مسلمان ممالک کے پاس ہے۔

۶۔90 فیصد اسلامی ملک زرعی ہیں جو کہ تمام عالم اسلام کو خوراک مہیا کر سکتے ہیں۔

۷۔ربڑ کے تمام ذخائر مسلم ممالک کے پاس ہیں۔

۸۔یورینیم جو کہ اس وقت بہت زیادہ اہمیت حاصل کر گیا ہے اس کے وسائل بھی مسلم ممالک کے پاس ہیں۔

۹۔دنیا کی کوئی ایسی دھات نہیں جو کہ روزمرہ کی مصنوعات میں کام آتی ہو لیکن مسلمان ممالک اس سے محروم ہوں۔

آج کے عالم اسلام کو عالم مسائل کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔مراکش سے لے کر انڈونیشیاء تک پھیلا ہوا عالم اسلام جغرافیائی لحاظ سے کتنے ہی حصوں میں تقسیم کیوں نہ ہو، سیاسی، معاشرتی اور دینی دائروں میں ایک ہی نوعیت کے مسائل سے دوچار رہے۔ایک طویل دور غلامی نے ان سب ممالک کو ایک ہی جیسے مسائل میراث میں دیئے ہیں اور بظاہر سیاسی آزادی کے باوجود ابھی تک کسی نے ''حنیفاً مسلماً'' ہو کر دین اسلام کے نمائندے کی حیثیت سے اپنی عظمت کے سفر کا آغاز نہیں کیا ہے اور جب بھی کسی ملک نے ایسا قدم اٹھایا تو کامیابی اس کے قدم چومے گی۔

عالم اسلام کے استحکام و اتحاد کے لئے عملی تجاویز

۱۔عالم اسلام آج جن مسائل و مشکلات سے دوچار ہے ہر مسلمان قدرتی

طور پر نہ صرف ان مسائل و مشکلات کو سمجھنے کی خواہش رکھتا ہے بلکہ ان حقیقی اسباب تک رسائی حاصل کرنے کی آرزو بھی رکھتا ہے- پورا عالم اسلام درحقیقت مسلمان کا وطن ہے اور وطن کے کسی حصے کی تکلیف سے اس کا آزردہ اور غمناک ہو جانا اس کے دین و ایمان کا تقاضا ہے مگر افسوس ہے کہ مسلمان ممالک کے درمیان باہمی تعارف کے دشمنوں کے تصرف میں ہیں اور یا ان کے زیر اثر ہیں - اسی لئے مراکش کا مسلمان باشندہ اپنے انڈونیشی بھائی یا ترکی میں مسلمان موزنبیق کے رہنے والے مسلمان کے احوال سے اس حد تک واقف نہیں ہو پاتا جس حد تک اس کے جزیات تقاضا کرتے ہیں - بلکہ اس ناواقفیت اور بے خبری کی وجہ سے بسا اوقات ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی مصلحت و مفاد کے خلاف بھی کارروائی کر بیٹھتا ہے- لہٰذا ضرورت ہے کہ مسلمان کی مصلحت و مفاد کے خلاف بھی کارروائی کر بیٹھتا ہے- لہٰذا ضرورت ہے کہ مسلمان دشمنان اسلام کو واسطہ بنائے بغیر براہ راست ایک دوسرے کی مشکلات کو سمجھنے کی کوشش کریں-

۲- ہم اپنے مسائل خود حل کریں اور اپنے تمام وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے ان مسلمان افراد کی مدد کریں جو آزادی کی جدوجہد کر رہے ہیں - اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم دفاع اور صنعت میں خود کفیل ہوں اور اپنی تمام پیداوار کو خود اپنی مرضی سے بہبود کے کاموں میں لگائیں- ان مسائل کو کوئی ایک اسلامی ریاست حل نہیں کر سکتی - بلکہ پورا عالم اسلام متحد ہو کر سرکاری سطح پر کوششیں کریں- دراصل مسلمان ممالک کو ایک مربوط منصوبہ بنانا ہوگا اور اس کے لئے جرأت و توانائی اور دیوانگی کی ضرورت ہے- ذاتی مفاد کو پس پشت ڈال کر اتحاد کے لئے ہر ملک کو ٹھوس اقدامات کرنے پڑیں گے - جو تجاویز ذیل میں آرہی ہیں ان میں سے کچھ پر

عملدرآمد ہو رہے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کو مزید فعال بنانے کی اشد ضرورت ہے تاکہ عالمی سطح پر ان کے اثرات موثر طور پر تسلیم کئے جا سکیں۔

۱۔اسلامی نظام کا قیام

مسلم ممالک کے عوام اور حکمرانوں کے درمیان رشتہ استوار ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ملت کے لئے اس کا اپنا نظام نافذ کیا جائے۔ کیونکہ یہ تمام ممالک اسلامیہ کا تہذیبی و دینی ورثہ ہے اور فلاح و بہبود کا ضامن ہے اور قیامت تک کے لئے نافذ العمل ہے۔

۲۔عربی زبان رابطے کا ذریعہ

تمام ممالک اسلامیہ دوسری اقوام کے زبانوں کو ذریعہ بنانے کی بجائے اس زبان کو اپنائیں جو دین کی زبان ہے۔قرآن کی زبان ہے اور رسول مقبول ﷺ کی زبان ہے۔عربی زبان کو نافذ کر کے اسی کو رابطے کا واحد ذریعہ بنائیں کیونکہ اس زبان میں جدید دور کے تقاضے پورے کرنے کی بھرپور صلاحیت موجود ہے اور تمام عالم اسلام کے لئے یکساں قابل احترام ہے۔

۳۔مشترکہ نظام تعلیم

ملت اسلامیہ کے سپوتوں کی ذہنی برابری اور فکر ہم آہنگی کے لئے ضروری ہے کہ ایک ایسا نظام تعلیم رائج کیا جائے جو دینی و دنیاوی ضرورتوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ تمام ممالک اسلامیہ کے درمیان اتحاد و یگانگت کا ضامن ہو۔

۴۔اسلحہ میں خود کفالت

مسلمانوں میں عسکری صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے اس لئے ضروری ہے کہ

اسلحہ سازفیکٹریاں لگائی جائیں-جب تک دوسروں کے دست نگر رہیں گے اسی طرح ذلیل ورسوا ہوتے رہیں گے- کیونکہ یہی محتاجی اتحاد کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنی ہوئی ہے-مسلم ممالک کے ماہرین بھرپور یہ خدمت انجام دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں-پاکستان نے ایٹم بم بنالیا-تمام مسلمان ممالک کو ایٹمی پاور بننا چاہئے اور پاکستان کو اپنے مسلمان ممالک کی مدد کرنی چاہئے-

۵-مشترکہ نشریاتی ادارے کا قیام

ایک ایسا نشریاتی ادارہ ہو جس کے ذریعے تمام اسلامی ممالک تک اقدامات کی رپورٹ ہر لمحہ اور ہر آن پہنچائی جا سکے- ایک زبان ہونے کے بعد یہ چیز سہل ہے-

۶-اسلامی نیوز ایجنسیز

مغربی پریس کی ریشہ دوانیوں سے چھٹکارا حاصل کر کے اپنی نیوز ایجنسیاں قائم کی جائیں جو کہ ایک مرکزی نیوز ایجنسی کے ماتحت ہو جو مسلم ممالک کے درمیان صحیح خبریں پہنچا سکے-اس کے قیام سے غیر مسلم نیوز ایجنسیوں سے چھٹکارا ہو جائے گا-

۷-ویزا کی پابندیاں کا خاتمہ

ممالک اسلامیہ کے سربراہان ایک دوسرے کے ساتھ قریبی روابط رکھیں- عوام کے درمیان فوری رابطے اور مستقل تعلقات استوار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ویزا کی پابندیوں کو ختم کر دیا جائے-تا کہ عوام با آسانی تعلقات قائم کر سکیں-

۸-اسلامی معیشت کا قیام

موجودہ سودی نظام ترک کرکے اسلام کا معاشی نظام اپنایا جائے-

۹-مسلم اقوام متحدہ کا قیام

اقوام متحدہ بڑی طاقتوں کے زیر اثر ہے-اور یہ مسائل کے حل کے لئے بالکل ناکام ہوچکی ہے-مثالیں واضح ہیں کہ یہ آج تک مسلمانوں کا کوئی مسئلہ حل نہیں کرسکی-اس لئے اسی طرز کا مسلم قوم کا ادارہ ہو-جس کے ذریعے یہ اپنے مسائل کا حل کرسکیں-

۱۰-مسلم دولت مشترکہ

یہ ایک ایسا ادارہ ہونا چاہئے جو مشترکہ منڈی کے طور پر کام دے سکے-ہر قسم کی تجارت اور مشترکہ خارجہ پالیسیوں کا مرکز ہو اور مسلمان ایک دوسرے کے قریب ہوں اور یہ مشترکہ تجاری منڈی معیاری سکے کا اجراء اور لین دین کے اصول مرتب کرے اور انہیں تمام ممالک اسلامیہ پر نافذ کرے-اگر یورپ والے ''یورو'' بنا سکتے ہیں تو مسلمان اپنی مشترکہ کرنسی کیوں نہیں بنا سکتے-

۱۱-عالمی اسلامی عدالت

عالمی عدالت انصاف بڑی طاقتوں کی حاشیہ بردار ہے-اس لئے ضروری ہے کہ مسلمان ممالک اسلامی عدالت کا قیام عمل میں لائیں جو کہ فیصلے کتاب وسنت کے مطابق کرے-اور باہمی اختلافات کو دور کرنے میں ثالث کا کردار ادا کرے-اور تمام متنازعہ امور اسی کے سامنے پیش کرکے فیصلے کرائے جائیں-جدید قسم کے تمام معاملات کو اسلامی روح کے مطابق حل کرے-

۱۲- اسلامی سائنسی ادارے کا قیام

جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان سائنس کے موجد ہیں اور ان کا یہ ورثہ غیر مسلم اقوام نے چھین لیا ہے- اس لئے ضروری ہے کہ سائنس کے کام کو ترقیاتی بنیاد پر چلایا جائے - یہ ادارہ مصنوعات' ٹیکنالوجی اور ایٹمی قوت میں تحقیقی کام کرے- اس کے ساتھ ساتھ زراعت وصنعت کے لئے جدید قسم کے تحقیقی کام کرے- اسی طرح یہ اسلامی دنیا یورپ اور مغرب کو پیچھے چھوڑ جائے گی اور اگر عام عالم اسلام کے سائنس دانوں کو اس خدمت پر مامور کر دیا جائے تو یہ بات دعوے سے کہی جاسکتی ہے کہ مسلم دنیا کافر طاقتوں سے بہت آگے ہوگی-

حرف آخر

ہم ایک ایسے اسلامی معاشرے اور اسلامی ممالک کے اتحاد کی خواہش رکھتے ہیں جو غیر مسلم اقوام کے نام نہاد اتحاد سے کہیں زیادہ مضبوط' بہتر اور فعال ہو-

کتب حوالہ جات:

۱- القرآن .....۲- صحیح البخاری' مسلم' ابو داؤد (مسند احمد مشکوٰۃ) .....۳- رسول نمبر محدث 1973 -۴- رموزے خودی .....۵- common wealth of muslim states LHR-1972`P.106- Nazir Ahmed. .....۶- عالم اسلام اور اس کے افکار ومسائل- خلیل حامدی .....۷- مشرق وسطی- لاہور' شجاعت اللہ- .....۸- عرب دنیا - دھلی - محی الدین الوائی .....۹- World Muslim Gazetteer .....۱۰- مقالہ عالم اسلام کے اتحاد کے لئے عملی تجاویز- نذیر احمد خان

قرآن حکیم اور سائنس

وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا - (بنی اسرائیل: ۸۵)

رب کائنات نے قرآن حکیم کو نور ہدایت 'سرچشمہ علوم' لاریب و محفوظ اور جامع واکمل کلام کا مرتبہ عطا کر کے روحانی و مادی ضروریات کا ضابطہ قرار دیا ہے -کائنات کا سب سے بڑا ہمدرد و شفیق انسان محمدؐ جب غار حرا کی خلوتوں میں انسانیت کے اصل مقام و مرتبہ کی آشنائی کے لئے غور وفکر کی بلندیوں پر تھا کہ ایک دن یکا یک خالق کائنات کی طرف سے یہ آواز گونجی ......:

اقرأ باسم رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ(الفلق: ۱)

"(اے محمدؐ) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (عالم کو) پیدا کیا -"

قرآن کا یہ پیغام کفر و جہالت کے اندھیروں میں ڈوبی ہوئی بدحال انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ایک نئے حیات بخش نظام کے نزول کا آغاز تھا - خالق کون ومکان کا یہ عظیم تحفہ ایک ایسی اولوا العزم ہستی پاک کے قلب منور پر نازل ہوا کہ جسے وہ " رحمۃ للعالمین" بشیر ونذیر' کافۃ للناس اور خاتم الانبیاء کے مقام علیا پر سرفراز فرمانا منظور کر چکا تھا - ہزاروں سالوں پر محیط انسانیت کی تاریخ پر نظر غائر ڈالیں تو قبل از اسلام کا ماضی تاریکیوں سے پر دکھائی دیتا ہے -علم وحکمت کی ترقیوں کے نمونے نہ ملنے کے برابر ہیں - گویا شریعت اسلامیہ کی علمی ترقی سابقہ ہزاروں سالوں پر محیط ہے کیونکہ اسلام دورجدید کی ہر گمراہی کو دور کرتا ہے - اسلام زندگی کے ہر شعبہ اور عمل کے ہر گوشہ کے لئے اصلاحی تدابیر رکھتا ہے -

قرآن حکیم میں ایسی نصوص ملتی ہیں جن میں ایمان والوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ تم آسمانوں اور زمین کی تخلیق' کواکب اور اجرام علویہ کے نظام' ہواؤں کے چلنے' دن اور رات کے اختلاف وتغیرات' سمندر کے عجائبات' جمادات ونباتات وحیوانات کی

تخلیق، شمس وقمر کا مسخر ہونا' انسان کی تخلیق، علم و عقل اور ادراک کے اعتبار سے ان کے امتیازات اور دوسری مخلوقات پر' انسان کے تفریق پر غور وفکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

سائنس'' لاطینی زبان کے لفظ''sxientia'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی'' علم'' ہیں غور وفکر اور تحقیق و مطالعہ سے حقیقت کا منکشف ہوجانا'' سائنس'' ہے اس لئے اس'' علم'' کا حاصل کرنا' پڑھنا' سمجھنا اور اس کے لئے جستجو کرنا مسلمان کی فطری ضرورت ہے۔

غور وفکر کے حوالے سے قرآن حکیم میں متعدد بار اس قسم کی ترغیبات استعمال ہوئی ہیں

مثلاً فکر اور اس کے مشتقات ۱۸ مرتبہ۔ فقہ ۲۱ مرتبہ تدبر ۴۴ مرتبہ' عقل ۵۱ مرتبہ' نظر ۱۳۰ مرتبہ' ر□ی ۲۹۸ مرتبہ

ان فی ذالك لایات لقوم یعلمون ' یتفکرون ' یتدبرون ' یعقلون (القرآن)

معلوم ہوا کہ'' علم'' اور'' سائنس'' معنوی لحاظ سے ایک ہی شے ہیں مگر دور جدید میں'' سائنس'' مظاہر فطرت' قدرتی واقعات کے مطالعہ و مشاہدہ کے لئے'' علم'' مخصوص ہوگیا ہے۔ چنانچہ یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان ایسے علم کو چھوڑ دیں جس سے زندگی کے شعبے وابستہ ہیں کیونکہ اس علم کی بنیاد عمیق مطالعہ اور تجربہ و مشاہدہ کائنات ہے۔ اس لئے ایسے علم سے معرفت الٰہیہ کا فیضان حاصل ہوتا ہے۔

عقل سلیم کا مالک انسان ضرور اس حقیقت کا اعتراف کرے گا کہ کائنات میں علوم کا پھیلاؤ اسلام ہی کا مرہون منت ہے۔ لفظ research یعنی'' تحقیق''

ایک ایسا علم ہے جو مخفی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لئے انبیاء و رسل ''وحی'' کے ذریعہ حقیقت منکشف فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی عقل کو محدود و محتاج بنا کر اسے وحی الٰہی کے تابع کر دیا تا کہ رسول کی تعلیم و تربیت کے تحت تحقیقات کی جائیں۔ اس لئے اس کی معیشت کا بجا طور پر فیصلہ ہوا کہ وہ انسان کو ایسی چیز دے جو اس کی عقل کو ہر بہکاوے سے بچا لینے والی ہو وہ چیز جس کو وحی الٰہی'' کہتے ہیں عقل کو روشنی دکھاتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اس کا سچا طالب ہو۔ اس رہنمائی کو قرآن حکیم نے'' رحمت و نعمت کا ملہ'' فرمایا ہے لہٰذا جو کوئی اس رہنمائی کو قبول کر لینے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔ یہ اس کی عقل کو'' فرقان'' عطا کر دیتی ہے اور اسے اولوا الالباب'' کے زمرے میں شامل کر دیتی ہے۔

''یعنی انسان اصل میں بالکل بے علم تھا۔ اسے جو کچھ بھی علم حاصل ہوا' اللہ کے دینے سے حاصل ہوا۔ اللہ ہی نے...... جس مرحلے پر انسان کے لئے علم کے جو دروازے کھولنے چاہے وہ اس پر کھلتے چلے گئے۔ یہی بات'' آیۃ الکرسی'' میں اس طرح فرمائی گئی ہے

ولا یحیطون بشیء من علمہ الا بما شآء (البقرہ: ۲۵۵)

'' اور لوگ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے ۔سوائے اس کے جو خود چاہے۔''

جن جن چیزوں کو بھی انسان اپنی علمی دریافت سمجھتا ہے درحقیقت وہ پہلے اس کے علم میں نہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب چاہا ان کا علم اسے دیا۔ بغیر اس کے کہ انسان یہ محسوس کرتا کہ یہ علم اللہ سے دے رہا ہے۔

آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے'' الاسماء'' کا علم عطا فرما کر انہیں ملائکہ پر ممتاز

کیا'' الاسماء'' سے مراد'' حقائق الاشیاء کا علم'' ہے لہٰذا انسان کی تمام معلومات دراصل'' اسمائے اشیاء'' پر مشتمل ہیں'اس لئے آدم علیہ السلام کو تمام نام سکھانا گویا ان کو تمام اشیاء کا علم دینا تھا- اللہ تعالیٰ نے'' وحی'' کی اعلیٰ ترین رہنمائی سے انسان کو بنیاد کے ذریعہ درست علم کی راہ دکھائی -

هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُولاً مِّنْهُمْ یَتْلُوا عَلَیْهِمْ اٰیَاتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ وَ اِنْ کَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِی ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ(الجمعه: ۲)

''وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہیں میں سے (محمد ﷺ کو) پیغمبر (بنا کر) بھیجا- جو انکے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے-''

'' حکمت'' بعض اوقات منصب نبوت سے علیحدہ بھی عطا کی گئی- مثلاً فرمایا.....:

" و لقد اتینا لقمٰن الحکمة" (لقمان: ۱۲)

''اور ہم نے لقمانؑ کو حکمت عطا کی-''

اس سے مراد اعلیٰ بصیرت' درست قوت فیصلہ بھی ہے- کیونکہ یہ زندگی کو خوش کام و نیک انجام دیتی ہے-

یؤتی الحکمة من یشاء ومن یوت الحکمة فقد اوتی خیراً کثیراً(البقره: ۲۶۹)

''وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے اور جس کو دانائی ملی بے شک اس کو بڑی نعمت ملی''

رسول اللہؐ کا فرمان ہے.....:

کلمة الحکمة ضالة المومن اذا وجدها اخذها (ترمذی ابو اب العلم)

" حکمت کی بات مومن کا گمشدہ مال ہے جہاں اسے پائے اپنا مال سمجھ کر لے لے"

امام غزالیؒ " الحکمۃ فی مخلوقات اللہ" کے مقدمے میں لکھتے ہیں.....:

" خدا تجھے حق شناسی کی توفیق عطا کرے اور دین و دنیا کی فلاح و کامرانی نصیب فرمائے - خدا تعالی کی معرفت اس کے عجائبات و مصنوعات میں تدبر و تفکر کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی - اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل سلیم عطا کی ہے - وحی کے ذریعے اس کی رہنمائی فرمائی اور اصحاب نظر اور ارباب عقول کو اپنی مصنوعات میں غور و فکر کی اپنی اپنی تعداد کے مطابق دعوت دی" (قرآن نمبر جلد : ۲ ص: ۱۴۳)

قرآن مجید کا خطاب براہ راست انسانی عقل و فطرت کو ہے اور مذاہب و ادیان کی دنیا میں کسی بھی کتاب کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی کہ جس نے وعظ و نصیحت سے بڑھ کر ایسا انداز اختیار کیا ہو جیسا کہ قرآن حکیم نے اختیار کیا ہے - قرآن کا اپنی دعوت کو اسی انداز سے پیش کرنا اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ قرآنی علوم کا تعلق عمیق مشاہدہ کائنات سے بھی ہے جس سے متعلم کو معرفت الٰہی اور خشیت الٰہی حاصل ہوتی ہے -

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (فاطر: ۲۸)

" خدا سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں"

خشیت الٰہی اور درجات کی بلندی ان اہل ایمان کے لئے ہے جو صاحب علم

ہیں- رفع درجات کا ذریعہ ایمان وعلم ہے اور یہ رتبہ اسی کو ملتا ہے جو ایمان کے ساتھ علم کی دولت کماتا ہے-

علم اور سائنس

اگر علم وعقیدہ باہم مربوط ہوں تو انسان کا ایمان مضبوط ہوتا ہے- اسی طرح سائنس کی بنیاد بھی عقائد سے شروع ہوتی ہے جب کہ سائنسدان کائنات کے حقائق کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ارض وسماء میں ہزاروں مختلف النوع سیارگان کی گردش اور حرکت مادہ وغیرہ قوانین فطرت کے ساتھ جاری وساری ہیں اور قرآن نے آسمانی مظاہر کا بطور عموم حوالہ دیا ہے- اسی لئے آپ ﷺ نے یہود نصاریٰ کے احبار ورہبان کے انداز فکر کی نفی فرمائی جو کہ کائنات سے عدم وابستگی اختیار کئے ہوئے تھے- اس لئے آپ ﷺ نے ہر ممکن کوشش فرمائی کہ مسلمانوں میں جستجوئے علم وفن پیدا کی جائے- علم ہر دو صورت میں مفید ہے- قرآن مجید میں سینکڑوں ایسی آیات موجود ہیں جن میں کائنات اور اس کے مظاہر کو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں قرار دے کر ان میں غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے- فرمایا.....:

اولم ینظروا فی ملکوت السمٰوات ولارض..... فبایّ حدیثٍ بعدہ یومنون (الاعراف: ۱۸۵ ☆

''کیا یہ لوگ آسمانوں اور زمین کے انتظام میں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اس میں غور وفکر نہیں کرتے اور یہ کہ شاید ان کی اجل قریب ہی آ لگی ہو' پھر اس تعلیم کو چھوڑ کر کس بات کو باور کریں گے-''

دوسری آیت میں فرمایا.....:

ان فی خلق السمٰوات والارض واختلاف اللیل والنہار .....

لأیت لّقوم یعقلون (البقرہ: ١٦٤)

'' یقیناً جولوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کے لئے آسمانوں اورزمین کی ساخت میں- رات اوردن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے ہیں' ان کشتیوں میں جوانسان کے نفع کی چیزیں لئے ہوئے دریاؤں اورسمندروں میں چلتی پھرتی ہیں-بارش کے اس پانی میں جس کواللہ اوپر سے برساتا ہے' پھراس کے ذریعے زمین کوزندگی بخشتا ہے اوراپنے اس انتظام کی بدولت زمین میں ہرقسم کی جاندارمخلوق کو پھیلاتا ہے-ہواؤں کی گردش اوربادلوں میں جوآسمانوں اورزمین کے تابع فرمان رکھے گئے ہیں- بے شمارنشانیاں ہیں)

تیسری آیت میں فرمایا.....:

ھوالذی خلق السمٰوات والارض بالحق ان فی ذالك لأیات للمومنین (العنکبوت: ٤٤)

''اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اورزمین کوحق کے ساتھ پیدا کیا ہے کچھ شک نہیں کہ ایمان والوں کے لئے اس میں نشانیاں ہیں-''

علاوہ ازیں سورہ الرعد آیات ٢-٣ سورہ الحدید-٤ قلم-٣٢-٣٤ آل عمران -١٩٠-١٩١ الجاثیہ-١٣ اورالقصص سے روشنی ملتی ہے کہ کائنات کی تنظیم کارفرماہونے میں غوروفکر کے لئے'' ایمان وعلم'' سے ہی مدد حاصل کی جائے قرآن پاک میں ارشادہوتا ہے.....:

سنریھم ایٰتنا فی الأفاق و فی انفسھم (حٰم السجدہ - ٥٣)

''ہم عنقریب ان کوآفاق وانفس میں نشانیاں دکھلائیں گے-''

درج بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ سچائی کی تہ تک پہنچنے کا راز تحقیق ہے اور

علم' ایمان اور عقل کی محتاج ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے تو گویا قرآن مجید ''بصائر'' کا ایسا سرچشمہ ہے جس سے مومن ذہنی ارتقاء حاصل کرتا ہے اور یہی اسلام اور مسلمان کی عظمت کا بین ثبوت ہے۔

ما تریٰ فی خلق الرحمن من تفٰوت (الملك - ۲)

'' کیا تو رحمٰن کی آفرینش میں کہیں بھی کوئی نقص دیکھتا ہے۔''

بل الانسان علی نفسه بصیرة ولو القی معاذیره (القیامة - ۱۵)

''انسان خواہ ہزار بہانے بناتا پھر مگر وہ اپنے لئے خود دلیل ہے۔''

اور پھر فرمایا......:

والقی فی الارض رواسی ان تمیدبکم(النمل - ۱۵)

''اور زمین میں پہاڑ رکھ دیئے مبادا تمہیں ایک طرف کو جھکا دے۔''

قرآن کی یہ دعوت فکر و نظر و ابدی نوعیت کی حامل ہے۔ خواہ کتنے ہی اسرار و رموز منکشف ہوتے جائیں۔ مگر تمہیں ان پر بار بار توجہ دینا پڑے گی۔ جس سے مومن سائنسدان کے قلب میں معرفت الٰہی موجزن ہو گی اور اس طرح یہ علم اخلاق و روحانی قدروں سے منور ہوتا چلا جائے گا۔

توجہ طلب پہلو

موجودہ دور میں سائنس اور ٹیکنالوجی نے محیر العقول ترقی کی ہے مگر مسلم ممالک کی حالت اس میدان میں کمزور ہے اور یہ ترقی یافتہ اقوام کے دست نگر ہیں۔ دنیا کے اہم اور حساس مقامات پر واقع ہونے کے باوجود بھی دوسروں کے زیر اثر زندگی گذار رہے ہیں۔ اس لئے مسلم زعماء اس سوچ میں ہیں کہ امت مسلمہ کے اندر

اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا کی جائے تا کہ وہ عالم انسانیت کی قیادت وسیادت اپنے ہاتھ میں لے کر'' خیرامت'' ہونے کا فریضہ ادا کرسکیں۔

تسخیر کائنات کے نظریات تغیر پذیر ہوتے ہیں۔ اسی لئے علمائے متقدمین کے درمیان قرآن وسنت کی نصوص سے کائنات کے علوم کی کھوج لگانا اختلافی مسئلہ رہا ہے۔ مثلاً امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) قرآن وسنت سے کائنات کے علوم سمجھنے کے قائل تھے۔ انہوں نے'' احیاء العلوم'' میں ایک قول نقل کیا ہے کہ قرآن کریم ستر ہزار دوسو علوم پر مشتمل ہے مگر امام شاطبی (متوفی ۷۹۰ھ) ان دعوؤں کو غلط قرار دیتے ہیں وہ ''الموافقات'' میں لکھتے ہیں کہ:

'' بہت سے لوگ اپنے دعویٰ میں حد سے تجاوز کر گئے ہیں۔''

قرآن اپنی صداقت کے اثبات کے لئے سائنس کا محتاج نہیں کیونکہ سائنسی نظریات تغیر پذیر ہوتے رہتے ہیں جب کہ قرآنی حقائق اٹل اور مستقل ہیں۔

درحقیقت قرآن علوم..... انسانی ذہن کے خودساختہ نظریات سے ماوراء ہیں۔ اس لئے تفسیر کے متعین اصول وضوابط کے بغیر قرآن کے سائنسی اعجاز پر کلام کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ قرآن نے کائنات کی تسخیر کا جو فرمان جاری کیا ہے اس کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ انسان اپنی اردگرد پھیلی ہوئی کائنات سے ٹکرا جائے۔ کتاب الٰہی کا منشاء یہ ہے کہ وہ اس کے اسرار سے واقفیت حاصل کرکے نوامیس فطرت سے استفادہ کرے۔

موجود دور کے شکست خوردہ ذہن قرآن کریم کو یا تو سائنس کا تابع بتاتے ہیں یا اس کی حقانیت سائنس سے ثابت کرنے کی سعی کررہے ہیں۔ اسی مکتب فکر کے لوگ قرآنی آیات کو سعی کی ہر نئی ایجاد پر ''فٹ'' کردیتے ہیں۔ مظاہر فطرت

اور سماوی حقائق کا تذکرہ اس حیثیت و انداز سے کرتے ہیں - کہ قرآن سائنسی موضوع کی کتاب بھی ثابت ہو جائے - اس طرح کی تاویلات وتشریحات سے ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دینا چاہتے ہیں اگر ہم عصری تقاضوں کے مطابق قرآنی آیات کی تطبیق کرتے رہے تو پھر خدشہ ہے کہ اللہ کی کتاب بازیچہ اطفال بن کر رہ جائے گی - اسی طرح دشمنان اسلام کو استہزاء کا ایک نیا موقعہ مل جائے گا -

قرآن مجید ایک روحانی کتاب ہے جسے سائنس سے بالواسطہ کوئی تعلق نہیں - لیکن چونکہ یہ پاک کتاب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور کائنات اس کا فعل ہے اس لئے اس کتاب کے پڑھنے سے ہمیں قدرتی مظاہر میں ایک باقاعدگی نظر آتی ہے - اور بعض کو سائنسدانوں نے بڑی کاوش کے بعد اب دریافت کیا ہے -

معلوم ہوا ہے کہ قرآن کریم بنیادی طور پر پیغام ہدایت ہے - تمام سائنسی اشارے جو قرانی آیات میں ملتے ہیں - اسی بنیادی مقصد کے تابع ہیں اور ان کی حیثیت ثانوی ہے - اس لئے مسخر شدہ اشیاء میں تمہارے لئے فوائد مہیا کئے گئے ہیں - مگر '' جدید مفسرین '' کو جو '' حسن اتفاق '' میسر ہوا ہے اس سے اتنا متاثر ہوئے کہ سائنس کی ہر نئی ترقی پر قرآنی آیات کو پیش کرتے ہیں - قرآن سے ہر مسلمان کو سچی عقیدت ہے کیونکہ یہ ایمان کا جزو لاینفک ہے مگر '' عقیدت '' کو بنیاد بنا کر اور جدید مفسر بننے کی تڑپ یہاں تک تو نہ پہنچائے کہ قرآن کے اجمالی اشارات کو اس طرح واضح کیا جائے '' قرآن نے سائنس کے ابواب مدوّن کر دیئے ہیں '' اور پھر ان '' مدوّن ابواب '' کے حق میں آیات سے خاص خاص الفاظ نکالے جاتے ہیں یہی وہ '' طرز فکر '' ہے کہ جس کے تحت چاند تک انسان کی

رسائی کا واقعہ ہو جانے کے بعد مضحکہ خیز طریقے سے نکتے نکالے گئے کہ" چاند پر انسان پہنچے گا"" وہ تین انسان ہونگے" تینوں ہی کافر ہوں گے' وغیرہ اس طرح لفظ" حطمہ" کا" ایٹم بم" بنا دیا اور لفظ" سلطان" کو راکٹ" ثابت کر دیا - ایسی تفسیری تگ و دو احساس کمتری کے سوا کچھ نہیں فی الحقیقت مسلمان کا عقیدہ یہ ہونا چاہئے کہ رشتہ اسباب اللہ تعالیٰ کی بالاتر قوت کے ہاتھ میں ہے - اس عقیدے پر عمل کے بعد ہم افراط و تفریط کا شکار نہ ہوں گے -

قرآن کریم میں نہ تو ریاضی کا کوئی کلیہ درج ہے اور نہ ہی سائنس کا اصطلاحی فارمولا' اس نقطہ نظر سے قرآن نہ ریاضی کی کتاب ہے اور نہ سائنس کی بایں ہمہ قرآن علم و حکمت کا سرچشمہ ہے کیونکہ اسی بزرگ و برتر کتاب میں قوانین فطرت کو سمجھنے اور ان پر غور و تدبر کرنے کی ہدایت بار بار فرمائی گئی ہے - اس لئے قرآن بجا طور پر قرآن حکیم کہلاتا ہے -" (قرآن نمبر ص: ۵۱۷)

قرآن پاک میں ارشاد ہے.....:

علیکم انفسکم لایضرکم من ضل اذا ھتدیتم (المائدہ: ۱۰۵)

"تم پر تمہارے اپنے نفس کی ذمہ داری ہے اگر تم ہدایت پاؤ گے تو دوسرا گمراہ ہونے والا ہے تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا -"

مسلمان ایک عظیم قوم ہیں کہ انکی اساس عظیم ہے - علم و حکمت کی عالی شان عمارت" قرآن و سنت" ان کے پاس ہے مضبوط قوت بننے کے لئے انہیں بنیادوں پر اپنی قیادت و سیادت کو استوار کر کے ہی کامیابی حاصل کرنا ہوگی - قرآن نے کائنات کے علوم کے بارے میں جد و جہد کو مفید قرار دیا ہے کہ اس کی ترغیب بھی

دی ہے- امت مسلمہ تسخیر کائنات کے مادی و روحانی فوائد سے اسباب و وسائل کا ذخیرہ جمع کرے تا کہ اپنی فتوحات و مہمات کا دائرہ بھی برابر وسیع ہوتا رہے- اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان کو جو صلاحیتیں دی گئی ہیں- وہ انکا بھرپور استعمال کرکے اپنے گردوپیش پھیلی ہوئی حیات و کائنات کے متعلق زیادہ علم حاصل کرے- آیات قرآنی پر غور و فکر کرے تا کہ اسلام کے بارے میں اہل مغرب نے (اس خاص سائنسی میدان میں) تشکیک پیدا کرنیکی جو روش اختیار کر رکھی ہے- اس کا ازالہ ہو سکے- اسلام عقل انسانی' سائنس اور مذہب کے مابین مخاصمت کا قائل نہیں کیونکہ یہ اس علم کو شر یا ایمان کے خلاف نہیں سمجھتا ہے- مگر اللہ کے لئے قرآنی آیات کی بے جا تاویلات کرکے جدید سائنسی نظریات سے مطابقت پیدا کرنے کی پر تکلف روش ترک کردیں- اب حالات کا شدید تقاضا ہے کہ ہم مسلم نوجوانوں کو دینی جذبہ کے ساتھ ان علوم کے لئے تیار کریں تا کہ یہ مسلم نوجوان اپنے علم سے اہل ایمان کے وقار کو بلند کریں اور اقوام غیر کے دست نگر ہونے سے محفوظ ہوسکیں- انہیں کی شان ہے-

یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰتٍ (الاعراف: ۱۷۹)

" تم میں سے جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے اللہ ان کو درجے عطا فرمائے گا-"

مسلمانوں کی سائنسی تاریخ کا مختصر تعارف

ساتویں صدی کے اواخر اور آٹھویں صدی کی ابتداء میں یورپ میں جہالت و سربریت کا دور دورہ تھا - یورپین مؤرخین اس دور کو قرون مظلمہ (the dark

ages) سے تعبیر کرتے ہیں لیکن اس کے برعکس مسلم قوم میں علمی، تہذیبی اور ثقافتی بیداری کا دور تھا۔موجودہ دور میں علمی فضیلت یا برتری کی بات کرنا تحصیل حاصل ہے۔مگر جس زمانے میں اسلام کا آغاز حجاز مقدس کی وادیوں سے ہوا، پوری دنیا علم و عرفان کی فضیلت سے بالکل جاہل و غافل تھی ۔قرآن اس دور کا نقشہ یوں بیان فرماتا ہے......:

و ان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (الجمعہ: ۲)

موجودہ سائنسی تحقیق کی ابتداء خاندان بنوامیہ سے ہوئی ۔ خالد بن یزید بن معاویہ نے کیمیا اور طب کی یونانی کتب کے تراجم کرائے اور اس طرح مسلمانوں میں طبیعائی علوم کے مطالعے کا ذوق پیدا ہوا۔عباسی دور خلافت میں مامون الرشید اور ہارون الرشید کے کارنامے سرفہرست ہیں۔" بیت الحکمۃ" اس دور کی جدید ترین سائنسی یونیورسٹی تھی۔جس میں سائنس کے میدان میں " بیت الحکمۃ" نے انقلاب عظیم برپا کیا ۔ جب یورپ کی گلیوں میں کیچڑ بھری رہتی تھی اور انہیں پانی کے استعمال یعنی نہانے کا ڈھنگ نہیں آتا تھا تو یہی مسلمان تھے جنہوں نے انہیں دنیا میں رہنا اور جینا سکھایا (اگرچہ آج بھی اہل یورپ ایمان اور تہذیب وثقافت کے لحاظ سے ویسے ہی ہیں جیسے پہلے تھے)احبارو رہبان پر ایک وہ دور بھی آیا جب" کلیسا" کے حکم سے ہر ابھرنے والے سائنسدان کو قید یا قتل یا زندہ جلا دیا جاتا تھا، یوں ان مذہبی ٹھیکداروں نے تقریباً ساڑھے تین لاکھ انسانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جو علم وعقل کی بات کرتے تھے۔اس ظلم وسربریّت کے نتیجے میں ایک ایسا انقلاب برپا ہوا کہ ان کے نوجوان یہودیت و عیسائیت کی مذہبی گرفت سے نکل بھاگے ۔ اور آج " مذہب کا نام" ان کے لئے زہر قاتل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسلامی حکومتوں نے علم وحکمت کی سرپرستی کی اور سائنس کے موجد پیدا کئے' جابر بن حیان کیمیا کا موجد' ابن الھیثم طبعیات کا موجد' ابو بکر زکریا رازی طب کا موجد' بوعلی سینا طب کا عالم' موسیٰ الخوارزمی حساب کا موجد' میکانیات میں ابوالفیض اسماعیل الرزاق الرازی بدیع الزمان مؤلف'' الکتاب میزان الحکمۃ'' کے مؤلف الہندیۃ'' ۱۲۰۶ء الخزینی جو'' الکتاب میزان الحکمۃ'' کے مؤلف تھے اور'' مرو'' کے رہنے والے تھے-بصریات میں-ابن الھیثم ۱۰۳۸ء اور عمر الخیام المبراء کا موجد' جن کا اعتراف مغرب کے محققین کو آج بھی ہے- یہ اسلام کی عظمت کا نمونہ ہے کہ اس نے سائنسی علوم کو اہمیت دی-اس لئے مسلمان اس دور میں ان علوم میں یونان سے بڑھ گئے-طب کے شعبہ میں بھی جراحی کے ایسے ایسے اہم کارنامے اس وقت انجام دیئے جب کلیسا کے فتووں کے مطابق بیماری کے لئے دوائی کا استعمال تک ممنوع تھا-

فاضل اجل قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ لکھتے ہیں.....:

'' غالباً یہ بیان نامکمل رہ جائے گا اگر میں اس مقام پر مختصر ذکر نہ کروں کہ علوم جدیدہ کی ترویج واشاعت میں مسیحیوں نے تنگ دلی اور اسلامیوں نے فراخدلی کے کیسے کیسے نمونے دکھلائے''

۱-ڈی رومینس'' نے ظاہر کیا کہ'' قوس قزح'' بارش میں شعاع آفتاب کے انعکاس کا نام ہے' اسے خدا کی کمان جنگ بتانا انتقام الٰہی کی علامت سمجھنا غلط ہے صرف اتنی بات پر وہ قید کر کے'' روما'' بھیجا گیا-وہ جیل ہی میں مرا-اس کی لاش اور اس کی کتابوں کو جلا دیا گیا-

۲-'' برونو'' کو ۱۶۰۰ء میں لمبی قید کے بعد اس لئے زندہ آگ میں جلا دیا گیا

کہ اس نے دنیا کو 'عالم اسباب' کہہ دیا تھا۔''

۳- زمین کے گول ہونے کا مسئلہ خلافت عباسیہ میں معلوم ہوا اور اس انکشاف سے مسلمانوں میں ایک پتہ بھی نہ ہلا۔ مگر یہی مسئلہ جب یورپ میں پہنچا تو قیامت برپا ہوگئی اور بیسیوں فلاسفر جو زمین کو گول کہنے لگے تھے قتل کر دیئے گئے۔

۴- چیچک کا ٹیکہ قسطنطنیہ میں دیر سے رائج تھا۔ ۱۷۲۱ء میں ایک عورت ''مسماۃ میری مونٹا'' اسے یورپ لے گئی تو پادریوں نے اس طریقہ علاج کی بے حد مخالفت کی۔ حتیٰ کہ بادشاہ سے درخواست کی گئی کہ شاہی اختیارات سے اس کا نفاذ روک دیا جائے''

۵- '' امریکہ میں جب یہ طریقہ نکلا کہ عورت کو ولادت کے وقت مخدر کر دیا جائے تو تمام پادری مخالف ہوگئے کہ عورت کو ولادت کے وقت آرام پہنچانا خدا کی لعنت کا مقابلہ ہے' جو کتاب پیدائش باب سوم میں عورت ذات کے لئے موجود ہے''

(رحمۃ للعالمین جلد: ۳ ص: ۶۳-۶۲)

سر جان ولیم ڈریپر لکھتا ہے.....:

'' مسلمانوں نے صرف مدارس قائم کرنے یا علمی کتابوں کی نقول و تراجم کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی تصحیح' ترمیم اور ترقی بھی کی اور بہت سے نئے علوم پیدا کئے۔ چنانچہ اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں مسلمانوں کا ان علوم کی طرف زیادہ رجحان رہا۔ جن کا تعلق عمل و مشاہدہ سے تھا۔''.....

'' چنانچہ دوسرے علوم کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم میں مسلمان عالموں کے مشاہدات عاقلانہ اور تجربات ماہرانہ تھا وہاں طب' طبعیات اور کیمیا میں بھی نام پیدا کیا'' .....اور ان مدارس کی نگرانی فراخ حوصلگی سے نطوریوں اور یہودیوں کی سپرد

بھی کی جاتی تھی کسی شخص کو کسی بڑی خدمت پر مامور کرتے وقت حکومت (اسلامیہ) کو یہ خیال نہ آتا تھا کہ وہ کسی قوم سے تعلق رکھتا ہے اس کے عقائد کیا ہیں بلکہ محض علمی قابلیت کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔'' سائنس میں عربوں کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ انہوں نے اس کی تحصیل میں یورپ کے یونانیوں کا طریقہ اختیار نہیں کیا..... یعنی ان کے علم کی بنیاد تجربہ اور مشاہدہ پر تھی۔فن کیمیا میں ترازوں کا استعمال کیا جس کے اصولوں سے وہ پوری طرح واقف تھے۔

'' ایک مدت تک یورپ میں فلکی' ریاضی اور طبعی فنون عربوں کی تصانیف سے حاصل کئے جاتے تھے ساتویں صدی کے بعد تک بحر متوسط کی سیادت عربوں کو حاصل تھی۔اس لئے انہوں نے اطالویوں اور فرانسیسیوں کو بہت سے عربی الفاظ دیئے۔اہل فرانس کی طب کی بنیاد ہی'' عربی طب'' پر تھی۔اس کے ذریعے انہوں نے بہت سے عربی الفاظ اختیار کئے۔عرب سات صدیوں تک فرانس و اٹلی میں اندلس سے مختلف علوم پہنچاتے رہے اور اہل یورپ نے علوم طبعی' ریاضی' فلکیات کیمیا اور بہت سے علوم علماء اور ان عربی کتابوں سے سیکھے جن کی اصل ضائع ہو چکی تھی۔ طبعی علوم تمام تر عربوں ہی سے سیکھے سترھویں صدی تک ان کا تمام تر دارومدار انہیں پر تھا'' (دین رحمت۔ص: ۱۶۴)

ڈاکٹر لوسین لیک لرک لکھتا ہے.....:

'' دنیا پھر وہ اعجاز آفرین منظر نہ دیکھ سکے گی جو نویں صدی (عیسوی) میں عربوں نے پیش کیا۔یونان کے تمام علوم عربوں کی گرفت میں تھے۔انہوں نے اپنی صف میں اول درجے کے طلباء پیدا کئے جنہوں نے اسی وقت علم حقیقت کے صحیح مذاق کا اظہار کیا۔'' (دی ہسٹری آف عرب میڈیسن۔۹۱-۹۲)

جان ڈبلیو کیمبل جونیئر لکھتا ہے.....:

''اسلام نے وہ کچھ حاصل کیا کہ دوسری کسی قوم نے اس کے حصول کی کوشش تک نہ کی - اسلام نے سائنس ایجاد کی - یہ کام روما اور یونان نہ کر سکا - روما میں صفائی کا انتظام نہ تھا - ایتھنز کے فلسفہ کا اہتمام نہ تھا - ہم نے سائنسی میراث روما اور یونان سے نہیں لی بلکہ صرف اور صرف اسلام سے لی ہے - (اسلامک ریویو مارچ: 1955ء)

عطش ڈرّانی لکھتے ہیں.....:

'' اسلامی اندلس میں سائنس کے ہر شعبہ میں تحقیقات کی تمام تر سہولتیں میسر تھیں - طب کو بطور خاص فروغ حاصل ہوا - جامعہ قرطبہ میں علم ہئیت' کیمیا' جغرافیہ اور تاریخ کے شعبے قابل ذکر ہیں - (سیارہ ڈائجسٹ چودہ صدیاں نمبر ص: ۳۴۵)

یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمان عربی بولنے والے تہذیب و ثقافت کے عظیم مشعل بردار ثابت ہوئے - قرون وسطیٰ میں بغداد اور اندلس کے مسلمان مفکرین ہی کو یہ لازوال عظمت حاصل تھی کہ انہوں نے خیال کی دو لہروں میں تال میل قائم کیا مسلمانوں کو تجرباتی علم کی اشاعت و تعلیم کا ذوق ابتدائے اسلام ہی سے ودیعت کیا گیا تھا - اس لئے بنو امیہ نے ۶۶۱ء میں دمشق میں سائنس کے علماء کو جمع کرنا شروع کر دیا پھر ۸۶۱ء میں عباسیوں کے خلفاء خصوصاً منصور' ہارون اور مامون نے سائنسدانوں کی بے حد و حساب حوصلہ افزائی کی تو یہاں یہ کہنا زیادہ ضروری ہے کہ سائنسی فکر نے آنے والے عہد کی '' حکمت'' پر جو اثر ڈالا - اس کے پیش نظر مسلمان مفکرین کا یہ کارنامہ اولین عظمت کا مستحق ہے سب سے زیادہ پر مغز اور گرانقدر کتابیں سائنسی موضوعات پر عربی میں تھیں - عربی نے آٹھویں صدی کے

نصف سے گیارہویں صدی کے اختتام تک بنی نوع انسان کی ترقی پسندانہ زبان کا کردار ادا کیا۔اس دور میں جو خوب باخبر ہونا چاہتا تھا (یعنی سائنس کا علم حاصل کرنا چاہتا تھا) اور تازہ ترین معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا تو اسے عربی سیکھنا اور پڑھنا پڑتی تھی۔اس لئے" علمائے اسلام" کو سائنس کا مؤسس قرار دیا گیا ہے علم وحکمت کے اس دور میں مسلمان حکمرانوں نے مشرق وسطیٰ' اندلس اور پرتگال میں شاندار درس گاہیں قائم کیں۔

الغرض مسلمانوں نے علم کی ہر شاخ اور ہر فن میں نیا پن اور نئی تحقیقات کا آغاز کیا۔سائنسی علوم میں مسلمانوں نے جو کارنامے سرانجام دیئے وہ رہتی دنیا تک قائم رہیں گے۔یہاں ان چند درخشاں ہستیوں کے نام درج کرنا ہی کافی ہوگا جن کے مقابل مغرب کے معاصر کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

" جابر بن حیان' الکندی' الخوارزمی' احمد الفرغانی' ابوبکر زکریا رازی' ثابت بن قراء البسطانی' حسنین بن اسحاق' الفارابی' المسعودی' ابراہیم بن صفان' خالد بن یزید' علی بن عباس' ابو القاسم الزہراوی' ابن الجذار' البیرونی' بوعلی سینا' ابن البسیطار' الغزالی' عمر خیام' ابن رشد' ابن زہر' ابن باجہ اور ابن الہیثم۔"

آخر میں یہ عرض کروں گا کہ مسلمانوں نے طبعی علوم میں جو ترقی کی منازل طے کیں۔ہمارے عربی مدارس کے طلباء کو مذہبی علوم کے ساتھ ساتھ ان علوم کی تعلیم بھی دی جانی چاہئے۔اور اسی طرح سکولوں اور کالجوں میں سائنس کے ساتھ مذہبی علوم کی تعلیم ضروری قرار دینی چاہئے تاکہ مغربی سائنسدان نے اپنے متعصب پراگنڈہ' الحادی اور بے دین نظریات وعقائد کو ان علوم میں داخل کرکے انسانیت کو جس مادہ پرستی کی راہ پر ڈال دیا ہے اور انسانیت اہل کلیسا' احبار اور ملحدین کی

تحقیقات کے سہارے جی رہی ہے-ان سے چھٹکارا ملے-اگر چہ آج ان کے ضمیر بوجھل ہیں اور وہ مادہ پرستی سے تنگ آ چکے ہیں-مگر جدیدیت کے ظاہری پرستار ضرور نظر آتے ہیں اس وجہ سے ہمارا معاشرہ افراط تفریط کا شکار ہو کر رہ گیا ہے-جس قوم کا ماضی نہ ہو اس کا حال و مستقبل تاریک ہوتا ہے-ہمارا ماضی روشن ہے اسی ناطے سے حال و مستقبل کو تابناک بنانا ضروری ہے یہ مخفی خزانے ظاہر کئے جا سکتے ہیں-فنی علوم کے تخریبی پہلوؤں سے دنیا کا دامن محفوظ رکھنے کے لئے ہمیں مضبوط قوت بننا ہوگا-آخر'' ہم کب تک'' دست سوال دراز کرتے رہیں گے-ہمیں ان مادی علوم میں بھی خود کفیل ہونا چاہئے جو ہماری اپنی میراث ہے اور جن کی طرف علامہ اقبال یوں اشارہ فرما گئے ہیں

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
انہیں دیکھیں جو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

فہم قرآن میں حدیث کا مقام

کان الناس امة وّاحدة فبعث الله النبیین مبشرین و منذرین و انزل معهم الکتٰب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفو فیه

''ابتداء میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے (پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلاف رونما ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کجروی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتاب حق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلاف رونما ہو گئے تھے' ان کا فیصلہ کرے۔''

سنت و حدیث کی بدولت قرآن کریم کی نبوی تفسیر و تعبیر کا کامل نمونہ ہر دور میں موجود رہا ہے۔ عہد نبویؐ کے اثر سے عہد صحابہ کا'' مزاج و مذاق'' ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں منتقل ہوتا رہا۔ ہر دور میں ایسے افراد رہے جو'' سلف'' کے مزاج و مذاق کے حامل کہے جا سکتے ہیں قرآن حکیم میں تقریباً چالیس مقامات پر'' اتباع رسولؐ'' کا حکم مختلف انداز میں وارد ہوا ہے کتاب اللہ میں'' سیرت طیبہ'' بڑے حکیمانہ انداز میں بیان ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی نگاہ میں اتباع رسولؐ کا عقیدہ ایمان کے لئے ایک اساسی بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے شریعت صرف قرآن کا نام نہیں بلکہ پیغمبر اور قرآن کا چولی دامن کا ساتھ ہے پیغمبر و رسول کو درمیان سے ہٹا دیا جائے تو'' قرآن اور شریعت'' بے یار و مددگار ہو جاتے ہیں۔'' انکار سنت'' کا نشہ دوسری صدی ہجری میں اٹھا اور اس کے اٹھانے والے'' خوارج اور معتزلہ'' تھے بالآخر یہ دونوں فتنے اپنی موت آپ مر گئے۔ قرآن حکیم نے یہ بات ثابت کر دی کہ دین اسلام میں محمد رسول

اللہ ؐ کی حیثیت محض ایک پیامبر کی نہیں بلکہ آپ ؐ معلم و رہنما، مفسر قرآن، شارع اور قاضی و حاکم مقرر فرمائے گئے۔

والا جاہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ فرماتے ہیں.....:

قرآن مجید کی تفسیر صرف اپنی رائے سے کرنا حرام ہے حدیث ابن عباس میں مرفوعاً آیا ہے۔ جس نے اپنی رائے یا عقل و قیاس سے یا وہ بات جو وہ نہیں جانتا.....قرآن مجید کی تفسیر کی تو وہ شخص دوزخ میں اپنی جگہ بنائے۔ (ترمذی ابواب التفسیر) اس کو ابو داؤد نسائی نے بھی روایت کیا ہے بلکہ دوسری روایت میں یوں آیا ہے۔ جس نے قرآن مجید کی تفسیر اپنی رائے سے کی اور ٹھیک کی تو بھی وہ شخص چوک گیا۔ اس نے خطا کی (ترمذی ابواب التفسیر)

معلوم ہوا کہ جب قرآن کی تفسیر کرے تو حتی الامکان اولاً قرآن سے کرے، سنت مطہرہ سے کرے اور پھر اقوال صحابہ پھر اجماع تابعین، پھر لغت عرب سے۔ یہ پانچ مرتبے ہوئے کیونکہ اپنی رائے سے تفسیر کرنے والے کے لئے جہنم کی وعید ہے۔ فلیتبوا مقعدہ من النار۔ نیچریہ کے لئے یہ بہت بڑی وعید ہے۔ جنہوں نے سارے قرآن کی تفسیر اپنی رائے یا تدبیر سے گھڑی ہے جب سیدنا ابوبکر صدیق جیسا شخص یہ کہے کہ اگر میں بے جانے بوجھے کتاب اللہ میں کچھ کہوں گا تو کونسی زمین مجھے اٹھائے گی اور کونسا آسمان مجھ پر سایہ فگن ہوگا۔'' تو پھر کسی اور شخص کا کیا مقام ہے جو اپنے دل سے قرآن کے معنی بتائے'' (ترجمان القرآن بمطائف البیان)

منکرین حدیث امت مسلمہ کو ہدایت اور قوت کے اس سرچشمہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں جو ازل سے ابد تک '' مینارھدیٰ'' ہے ان جیسے لوگوں نے ہر پُرفتن دور میں کتاب الٰہی کے ساتھ اپنی فتنہ انگیزیوں کے کھیل کھیلے۔ دین کا حلیہ بگاڑنے کے

لئے اپنی عقلی تاویلات کو'' تفسیر قرآن'' کا نام دیا - اور اس میں بے اعتمادی اور شک پیدا کرنا چاہا - امت کو نقصان پہنچانے کی حتی المقدور کوششیں کیں - مگر ہر دور میں یہ فتنہ پرور اپنے فتنوں کے ساتھ تھوڑی مدت چل کر اپنی موت آپ مر جاتے رہے ہیں اس کی وجہ محدثین عظام کا وہ زبردست علمی و تحقیقی کام ہے جو نہایت معتبر ذرائع سے امت مسلمہ کا حرز جاں بنا - یہ بڑی بنیادی چیز تھی کہ جس نے ان'' متجددین'' منکرین سنت و حدیث کی جڑ کاٹ دی ہے - محدثین کرام کا یہ محققانہ رنگ ہر دور میں ممتاز نظر آتا ہے کیوں کہ انکو ان کے مطالعہ و تحقیق' حق گوئی اور انصاف پسندی نے اس مقام تک پہنچایا - اس کے برعکس یہ حضرات'' منکرین حدیث'' ایسا کوئی علمی و تحقیقی مواد پیش نہ کر سکے بلکہ ہر دور میں اپنے نئے فتنوں کے ساتھ سر اٹھایا مگر ہر دور میں احادیث نبو ﷺ کو قرآنی تفسیر کا بنیادی مآخذ یقین کیا جاتا رہا ہے - رسول اللہ ؐ کی پیشین گوئی حق ثابت ہوتی رہی -

لا تزال طائفة من امتی ظاهرين على الحق لا يضرهم من خذلهم حتىٰ ياتى امر الله وهم كذالك (عن ثوبان)

'' یعنی میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا - یہاں تک کہ قیامت آ جائے گی -''

حجیت حدیث میں شکوک و شبہات پیدا کرنے والے اور انکار سنت کا علم بلند کرنے والے اس آیت کا مصداق ہیں -

يريدون ليطفؤا نور الله بافواههم والله متم نوره ولو كره الكفرون (۳۲ : ۹)

'' پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا''

اس مختصر سے مقالے میں اسی کا بیان ہوگا- ابتداء میں ''وحی'' کی تعریف و اقسام' سنت وحدیث کا فرق اور آخر میں قرآن وسنت کے تعلق کا بیان ہوگا-

1-وحی: رازداری سے علم عطا کرنا'' وحی'' کہلاتا ہے وحی کے معنی اشارہ کرنا' لکھنا' پیغام دینا' الہام' خفیہ طریق سے بات کرنا' دل اور خیال میں بات ڈالنا وغیرہ

وحی کی اقسام

(۱)وحی متلو: قرآن حکیم (ایسی وحی جس کی تلاوت کی جائے) یہ کتاب نبی کریمؐ کے قلب مبارک پر'' روح الامین'' کے ذریعہ نازل ہوئی-

(۲)وحی غیر متلو: سنت وحدیث (ایسی وحی جس کی تلاوت نہ کی جائے) یہ براہ راست نبی کریمؐ کے قلب مبارک پر القاء ہوجاتی اور بعض اوقات سیدنا جبرائیل بھی پیغام لاتے تھے- اس طرح قرآن کو'' وحی جلی'' اور حدیث کو'' وحی خفی'' بھی کہا- قرآن کریم میں وحی کے نزول کے تین طریقے بیان ہوئے ہیں-

و ما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیاً او من ورائ حجاب او یرسل رسولاً فیوحی باذنه ما یشآ ء انه علیٌّ حکیم" (٥١ : ٤٢)

ترجمہ: کسی بشر کا یہ مقام نہیں کہ اللہ اس سے روبرو بات کرے اس کی بات یا تو وحی (اشارے (کے طور پر ہوتی ہے یا پردے کے پیچھے سے یا پھر وہ کوئی پیغامبر (فرشتہ) بھیجتا ہے- اور اس کے حکم سے جو کچھ وہ چاہتا وحی کرتا ہے بے شک وہ برتر حکیم ہے-''

اسی آیت کی تفسیر میں شیخ الحدیث سیدنا مولانا محمد اسماعیل السّلفی تحریر فرماتے ہیں'' انسانوں کے ساتھ گفتگو میں ہمارے اللہ تعالٰی کے تین طریقے ہیں-(۱) دل

میں الہام خبر (۲) پس پردہ آواز (۳) یا فرشتہ بصورت پیغامبر آ جائے اور پیغام دے جائے۔

پہلے انبیاء کے متعلق ممکن ہے کہ ان تینوں طریقوں کے مجموعہ سے انہیں مخاطب نہ فرمایا گیا ہو بلکہ کسی ایک طریق سے ان پر وحی نازل ہوئی ہو۔لیکن نبی کریمؐ کے متعلق فرمایا......:

وكذالك أوحينا اليك روحًا من امرنا (۵۲: ٤٢)

" ہم نے تم پر اپنا امر اس طرح وحی کیا۔"

یہ حدیث شریف کی وحی کے طریقے ہیں۔قرآن عزیز کے طریق نزول کی وضاحت یوں فرمائی......:

نزل به الروح الامين على قلبك لتكون من المنذرين (۲٦: ۱۹۲-۹٤)

" قرآن پاک" بواسطہ روح الامین آپ کے قلب تک پہنچایا گیا تا کہ آپ ڈرائیں" (حجیت حدیث: ۱۶۱)

ابوالبقاء لکھتے ہیں:" خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن وحدیث دونوں وحی منزل ہونے کے اعتبار سے متحد ہیں۔البتہ فرق یہ ہے کہ قرآن کریم کو ایک معجزہ کی حیثیت سے مخالفین کو چیلنج کرنے کے لئے نازل کیا گیا ہے مگر حدیث کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہے نیز یہ کہ قرآن کے الفاظ لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں اور جبرائیل یا نبی۔کو اس میں تصرف کا حق حاصل نہیں ہے بخلاف ازیں حدیث کے معنی نازل ہوتے اور وہ ان کو اپنے الفاظ کا جامہ پہناتے۔(احکام الاحکام جلد:اص:۹٦)

حدیث وسنت کے معانی

حدیث: حدیث کے بنیادی معنی بیان یا خبر کے ہیں۔ لیکن شریعت کی اصطلاح میں محدثین نے حدیث کا لفظ نبی کریمؐ کے قول، فعل اور تقریر کے لئے مختص فرمایا ہے......:

ھو علمٌ یبحث فیه عن اقواله ؐ وافعاله وتقریراته واحواله" (مقدمه مشکوٰة)

یعنی نبی کریمؐ کے اقوال، افعال اور تقریرات اور احوال کے متعلق بحث کی جاتی ہے۔

الحدیث: جو چیز نبی کریم سے منقول ہے

سنت: السنۃ: کبھی حدیث کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور کبھی طریقہ مسلوکہ فی الدین کے معنی ہیں۔

سنت: لغت میں اس راستہ کو کہا جاتا ہے جس پر متواتر چلنے کی وجہ سے وہ صاف اور واضح ہو گیا ہو۔

السنة تطلق علی قول الرسول و فعله وتقریره و علیٰ اقوال الصحابة و افعالهم

محدثین اور علمائے اصول کی مندرجہ بالا تعریفات سے یہ بات واضح ہوئی کہ "سنت اور حدیث" ہم معنی و متساوی و مترادف ہیں اور اس طرح سنت وحدیث کے معنی یوں واضح ہوئے۔

سنت کا بیان یا خبر حدیث ہے

درحقیقت اتباع عمل کے لحاظ سے سنت کی پیروی لازم ہے کیونکہ سنت کی

پیروی کے لئے قرآن ناطق ہے اور اسی کی خبر یا بیان ''حدیث'' ہے

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ(آل عمران: ۳۱: ۳)

''اے نبی لوگوں سے کہہ دو کہ'' اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو-تو میری پیروی کرو-اللہ تم سے محبت کرے گا-''

وما اتکم الرسول فخذوہ و مانھاکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ (۵۹ :۷)

''اور رسول جو کچھ تمہیں دے اسے لے لو اور جس سے روکے رک جاؤ-''

غرض تعمیل حکم کے لئے ایک طریقہ یا سنت اختیار کرنا فرض ہے اسی لئے آپ ؐ کا فرمان ہے.....:

فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین (ابو داؤد ' ترمذی)

'' میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت پر جمے رہنا-''

درج بالا احدیث سے واضح ہوتا ہے کہ تعمیل اور عمل کا تعلق سنت سے ہے-

قرآن وسنت کا تعلق

امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں:'' جس قدر قرآن کریم کو حدیث کی ضرورت ہے اتنی ہی حدیث کو قرآن کی ضرورت ہے-''(جامع بیان العلم جلد :۲ص:۹۱)

امام شاطبی فرماتے ہیں.....:

''قرآن کے دلائل سے یہ حقیقت آشکارا ہوئی ہے کہ وہ شریعت جو نبی اکرم ؐ لے کر تشریف لائے ہیں تو آپ کے تمام اوامر و نواہی قرآنی احکام کے ساتھ ملحق

ہیں- اسلئے ان کا قرآن سے زائد احکام پر مشتمل ہونا ناگزیر ہے-'' (الموافقات جلد:۴ص:۱۴)

نیز فرماتے ہیں:'' قرآن نے حدیث کے لئے جگہ چھوڑی اور حدیث نے قرآن کیلئے جگہ چھوڑی-

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے.....:

فانما یسرناہ بلسانہ لتبشر بہ المتقین و تنذر بہ قوماً لدًا''

(۱۹:۹۷)

'' پس اے محمد! اس کلام کو ہم نے آسان کر کے تمہاری زبان میں اسی لئے نازل کیا ہے کہ تم پرہیزگاروں کو خوشخبری دے دو- اور ہٹ دھرم لوگوں کو ڈرا دو-''

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل السّلفی تحریر فرماتے ہیں-''آیت بالا میں قرآن کی سہولت اور آسانی کو نبی کریمؐ کی زبان کے ساتھ مقید فرمانے کے بعد اس کی علت کے طور پر دو چیزیں ذکر فرمائی ہیں-

اہل تقویٰ کے لئے بشارت' جدال پسند اور خصامت پرست لوگوں کو ڈرانا- معلوم ہونا چاہئے کہ یہ مقصد صرف الفاظ کی تلاوت سے حاصل نہیں ہوسکتا' اسکے لئے افہام وتفہیم' وضاحت اور تشریح ضروری ہے اور اس سلسلہ میں عرب زبان دان اور عجمی برابر ہیں-'' (حجیت حدیث)

بعثت محمدی کے چار بنیادی مقاصد

محمد رسول اللہؐ کی بعثت وتعلیم کے مقاصد ونتائج قرآن مجید میں صراحۃً بیان کئے گئے ہیں-(۱) تلاوت آیات (۲) تزکیہ نفس (۳) تعلیم کتاب اللہ (۴) تعلیم حکمت

ربنا و ابعث فیهم رسولاً منهم یتلوا علیهم ایٰتك و یعلهم الکتب والحکمة و یزکیهم (۲۹ : ۱ : ۲)

''اے ہمارے رب! ان لوگوں میں خود انہیں کی قوم سے ایک ایسا رسول اٹھا ئیو جو انہیں تیری آیات سنائے - ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور انکی زندگیاں سنوارے -''

کما ارسلنا فیکم رسولاً منکم یتلوا علیکم ایتنا و یزکیکم و یعلمکم الکٰب والحکمة ویعلمکم مالم تکونو اتعلمون (۱۵۱ : ۲)

'' میں نے تمہارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں میری آیات سناتا ہے - تمہاری زندگیوں کو سنوارتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے -''

لقد من الله علی المومنین اذبعث فیهم رسولاً من انفسهم یتلوا علیهم ایٰته ویزکیهم و یعلمهم الکٰب والحکمة و ان کانوا من قبل لفی ضلال مبین(۱٦٤ : ۳)

'' درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہیں میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے انکی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور انکو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے -''

هوالذی بعث فی الامیین رسولاً منهم یتلوا علیهم ایٰته ویزکیهم و یعلهم الکٰب والحکمة و ان کانوا من قبل لفی ضٰلل

مبین (۲: ٦۲)

"وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود انہیں میں سے اٹھایا' جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے ان کی زندگی سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے- حالانکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے-"

"قرآن مجید میں رسول اللہ ؐ کی یہ چند صفات چار مقامات پر بیان کی گئی ہیں مقصد یہ ہے کہ مسلمان حضور کی قدر پہچانیں اور اس نعمت سے پورا پورا فیض حاصل کریں- جو نبی کریم ؐ کی بعثت کی صورت میں اللہ تعالٰی نے انہیں عطا فرمائی ہے- پھر وہ صرف آیات ہی نہیں سناتے بلکہ بروقت اپنے قول و عمل اور زندگی کے نمونوں سے لوگوں کو کتاب الٰہی کا منشا سمجھا رہے ہیں-

درحقیقت بعثت محمدی ؐ ان چاروں شعبوں پر مشتمل تھی- محمد رسول اللہ ؐ نے جس طرح دنیا کو نیا آسمانی صحیفہ عطا کیا - نیا علم و حکمت عطا کیا - اسی طرح نئے اخلاق نئے جذبات و کیفیات' نیا یقین و ایمان' نیا ذوق شوق' نئی بلند نظری کی دولت عطا فرمائی - اور انہیں خصوصیتوں کی بنا پر وہ نیا اسلامی معاشرہ اور دینی ماحول قائم ہوا جس کو عہد رسالت اور عہد صحابہ" کے لفظ سے عام طور پر تعبیر کیا جاتا ہے-

انہیں آیات میں لفظ" الحکمۃ" قرآن کے علاوہ صرف" سنت و حدیث" کے لئے مخصوص ہے کیونکہ شریعت کے مقاصد و اسرار اور تعلیمات اسی" حکمت" سے حاصل ہوتی ہیں یہ کتاب اللہ کی تشریح' احکامات کی وضاحت اور اجمال قرآن کی تفصیل ہے- نبی اکرم ؐ تو اللہ تعالٰی کی حفاظت میں تھے آپ کو وحی کے ذریعے علم عطا کر کے معلم بنایا گیا اور انہیں خطاء سے معصوم قرار دیا - لہٰذا آپ جو کچھ فرماتے' کرتے یا کرنے پر راضی ہوتے سب کچھ احکام الٰہی کے ماتحت ہوتے یہ تمام

تشریحات قرآن حکیم کے علاوہ ہوتیں۔لیکن قرآن کے مخالف نہیں۔مولانا سیدنا ابوالاعلیٰ مودودیؒ فرماتے ہیں.....:

".....ظاہر ہے کہ" زائد" ہونے اور خلاف ہونے میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔سنت اگر قرآن سے زائد کوئی چیز نہ بتائے تو آپ خود سوچیں کہ اس کی ضرورت کیا ہے؟ اس کی ضرورت تو اسی لئے ہے کہ وہ قرآن کا وہ منشاء واضح کرتی ہے جو خود قران میں صراحتاً مذکور نہیں۔اس لئے قرآن کا فہم وادراک جتنا آپ کو ہو سکتا ہے کسی دوسرے کے لئے ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔نزول وحی کے انداز' لہجہ وطرز ادا سے جو مفاہیم ومعانی سمجھنے میں جو آسانی آپ کو ہوسکتی ہے وہ آپ کے علاوہ کسی اور کو معتبر نہیں آئی۔

سید مودودیؒ تحریر فرماتے ہیں:" .....ظاہر ہے کہ تزکیہ وکتاب وحکمت کی تعلیم صرف قرآن کے الفاظ سنا دینا نہیں بلکہ افراد معاشرہ کی تعلیم وتربیت کے لئے تدابیر اختیار کرنا ہوتا ہے۔لہٰذا آپ نے ان مناسب کے فرائض اور خدمات بحیثیت رسول انجام دیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس منصب پر مامور کیا تھا۔(تفہیم جلد: ۵ ص ۴۸۷)

تدوین حدیث

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الهَوٰى اِنْ هُوَا اِلَّا وَحْىٌ يُّوحٰى (النجم - 3-4)

"وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا' یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔"

انّا نحن نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُون (الحجر - ۹)

”یقیناً ہم نے ہی اسذکر کونازل کیااور ہم ہی اسکے محافظ ہیں۔“

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ☆ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ☆
فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ☆ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (القيمة)

”اے نبی اس وحی کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دو۔ اس کو یاد کرا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمے ہےلہٰذا جب ہم اسے پڑھ رہے ہوں اس وقت تم اس کی قرات کو غور سے سنتے رہو۔ پھر اس کا مطلب سمجھا دینا بھی ہمارے ہی ذمے ہے۔“

نبی کریم ﷺ پر ”وحی“ کی باتیں ”وحی جلی“ کی طرح لفظاً لفظاً نازل نہیں ہوتی تھی۔مگر یہ لازم تھا کہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے تھا۔”وحی خفی“ میں قرآن کے معانی و مطالب اللہ آپؐ کو سکھاتے جنہیں آپؐ اپنے الفاظ میں ادا فرماتے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن کی آفاقی دعوت صرف الفاظ تک محدود ہو کر رہ جائے اور اس کے معانی و مطالب کیلئے حامل قرآن کی حیثیت بھی ایک عام انسان کی طرح رہ جائے میرے خیال میں جو ایسا تصور یا عقیدہ رکھتا ہے وہ رسالت“ کے مقام کو ہی نہیں جان سکا۔قرآن کی آیات اپنے معانی و مفاہیم کے لحاظ سے ہر طرح محفوظ و مامون ہیں۔قرآن حکیم میں کہیں یہ نہیں آیا کہ نبیؐ پر قرانی آیات کے علاوہ وحی نہیں آتی تھی بلکہ اس کے برعکس قرآن یہ واضح فرماتا ہے کہ آپؐ پر قرآن کے معانی و مطالب کے علوم کی وحی آتی تھی۔قرآن حکیم کے اشارات‘ الفاظ اور اس کی مخصوص اصطلاحات کا مفہوم و مدعا اسی وحی کے ذریعے آپ کو سمجھا دیا جاتا تھا۔ درحقیقت ہمارے ایمان کا ذریعہ حدیث رسول ہے۔قرآن کا کتاب اللہ ہونا اور اس کے الفاظ کے معانی و مفاہیم کا واضح و محفوظ ہونا حدیث سے ثابت ہوتا ہے جس

سے آج ہم قرآن کے کتاب اللہ ہونے کی تصدیق کرتے ہیں - لہٰذا قران کی حفاظت وصداقت کا ذریعہ سنت مطہرہ قرار پائی تا کہ اس وعدہ کی تکمیل ہو سکے-

" اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْن"

جس طرح قران حکیم کی جمع وتدوین بتدریج عمل میں آئی کہ آپؐ کی زبان مبارک سے صحابہ کرام کے سینوں میں محفوظ ہوا - پھر کھجور کی چھال' ہڈیوں' پتوں اور پتھروں پر لکھ کر اسے حرز جان بنایا گیا - آپ ﷺ کی وفات کے بعد جنگ یمامہ کے سانحہ سے متاثر ہو کر سیدنا ابو بکر صدیق نے سیدنا زید بن ثابتؓ اور دیگر حفاظ صحابہ کے ذریعہ اسے ایک مصحف کی صورت میں جمع کرایا - پھر سیدنا عثمان غنیؓ نے اپنے دور خلافت میں ام المومنین سیدنا حفصہ سے وہی نسخہ منگوا کر اسکی نقول اطراف بلاد میں روانہ فرمائیں - اسی طرح لوگ ایک قرا□ت اور ایک مصحف پر متفق ہو گئے - اس کے بعد حجاج بن یوسف ثقفی کے دور میں اسے اعراب' حرکات وسکنات' پارہ وو رکوع کے ساتھ موجودہ شکل دی گئی - بعینہ یہی صورت '' سنت کی تدوین'' میں بتدریج عمل میں آئی غیر جانبدارانہ غور وفکر اور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے - کہ رسول اللہؐ تحریر وتسوید'' کی طرح خود اپنی حیات مبارکہ میں ڈال چکے تھے - آپؐ نے نزول قرآن کے ابتدائی ایام میں قرآن'' کے سوا لکھنے سے منع فرمایا.....:

لا تکتبوا عنّی غیر القرآن

''قرآن کے علاوہ میری طرف سے کچھ مت لکھو-''

حدیث کی کتابت '' زائد القرآن'' تھی غیر القرآن'' نہیں اس حکم سے مقصود یہ تھا کہ قرآن اور سنت آپس میں خلط ملط نہ ہو جائیں - مطلق تحریر کی ممانعت نہ تھی - تدوین قرآن وسنت کی خدمت کا کام ان مقدس ہاتھوں سے مکمل ہوا جن

کے متعلق پروردگار عالم قرآن حکیم میں اپنی رضامندی اور خوشی کا اظہار فرما چکا ہے- ان عظیم ہستیوں نے قرآن کے الفاظ اور اس کی نبوی تفسیر کو آنے والی نسلوں تک محفوظ حالت میں پہنچانے کا بکمال و تمام بندوبست فرمایا- بالفرض اگر یہ شخصیات قرآن وسنت کو خلط ملط کر دیتیں تو تا قیامت آنے والی نسلیں کس ''کتاب محفوظ'' سے اپنے ایمانوں کو منور کرتیں-

کتابت حدیث یا تدوین حدیث'' کے بارے میں جو فطری مدت درکار تھی- اسی مدت میں ہی یہ کام انجام پذیر ہوا کسی بھی اہم ہستی کی تعلیمات' حالات وواقعات مختصر مدت میں'' یکجا'' ہونا ناممکنات میں سے ہوتا ہے اس دور میں نبیؐ کی تعلیمات صحابہ کے سینوں اور تحریر کی صورت میں محفوظ تھیں- چنانچہ یہ'' علم'' صحابہ کرام کی اولاد مصاحبین اور تلامذہ میں پھیلا- لہٰذا ائمہ محدثین نے بڑی عرق ریزی اور قوت ایمانی سے کام لیتے ہوئے -نبوی تعلیمات کے مستند حصص کو مرتب فرمایا'':واضح رہے کہ مسلمانوں نے آغاز اسلام سے قرآن وحدیث کے علم کو اپنے لئے مشعل راہ بنایا -اس علم کی تدوین کیلئے قرآن حکیم کی اس آیت کو پیش نظر رکھا-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا (الحجرات ٦-)

'' اے اہل ایمان! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق آدمی خبر لائے تو اس کی خوب چھان بین کرلیا کرو-''

اسلامی نقطہ نظر سے کوئی حدیث اس وقت قابل اعتبار سمجھی جاتی ہے جب کہ اسکی اسناد'' محدثین'' کے اصولوں سے مطابق رکھتی ہو- یہ ایک ایسا کارنامہ ہے کہ ایسی کوئی بھی قوم اس طرح کی حفاظ کی مثال پیش نہیں کرسکتی -

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہم'' اطاعت رسول'' کی تائید میں جن قرآنی آیات سے استشہاد کرتے ہیں ان کا مقصد قرآنی آیات کی تفسیر اور احکام القرآن کی تشریح وتعیین کا ذریعہ'' حدیث رسول'' ہے اسی کو قرآن نے فرض قرار دیا ہے جن آیات میں'' اطاعت رسول'' کا حکم دیا گیا ہے-وہ آیات'' حدیث نبوی'' کو ایک نافذ تشریح قرار دیتی ہیں-''قرآن وحدیث'' ایک ہی دل کی مانند ہیں اور انکی'' شہ رگ'' '' وحی الٰہی'' ہے-یہ شہ رگ اسلامی علوم کے تمام اعضاء وجوارح تک ہر لحظہ و ہر آن خون پہنچا کر انکے لئے تازہ زندگی کا سامان مہیا کرتی ہے شیخ الحدیث تحریر فرماتے ہیں-''سوچئے کہ اگر ایک حکم قرآن وسنت میں بصراحت موجود ہو تو آپ نے سنت پر کیا احسان کیا؟ وہ تو قرآن ہے اس کا انکار کیسے ممکن تھا-''

.....بعض احادیث میں پہلے'' قران اور پھر حدیث'' کا جو حکم ملتا ہے وہ اس طرح واضح ہوا کہ قرآنی حکم میں ہی'' سنت'' کا حکم موجود ہے یہ سنت معانی ومطالب واضح کرتی ہے-اگر قرآن میں حکم نہ پاؤ تو حدیث رسول ﷺ کی طرف پلٹ آؤ-اسکا حکم بھی قرآنی ہوگا جو قرآن سے'' زائد'' ہے-قرآن کے خلاف نہیں-اگر بالفرض قرآن وحدیث میں حکم نہ پاؤ-اور حدیث میں بھی نہ پاؤ-تو انہیں کی روشنی میں اجتہاد کرو-مگر یہ اجتہاد شریعت پر چلنے کا ذریعہ ہوگا نہ کہ شریعت' بلکہ وقتی ضرورت ہوگا-جو'' مبتدل'' ہے اصلاً ہم قرآن کے بجائے کسی اور کے طلب گار نہیں' کیونکہ سنت قرآن ہی کا حصہ ہے ہم قرآن کو اس ذات گرامی سے لینا' جاننا اور سیکھنا چاہتے ہیں جو حامل اور شارح قرآن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے'' وحی'' سے علم عطا کیا اور اسی ذریعہ سے قرآن کے معانی ومطالب بتائے-

غور فرمایئے! اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول'' ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی .....فلا وربک لا یومنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینھم - اور اس جیسی دوسری متعدد آیات کی حیثیت ہم اپنے اذہان سے متعین کریں -نبوی تفسیر کا انکار کریں -یا تاویل کریں -یا یہ عقیدہ ہو کہ نبوی تفسیر اپنی اصل شکل میں موجود نہیں اس کا درست نمونہ'' عنقا''ہو چکا ہے پھر قرآن کا آفاقی ومحفوظ ہدایت کا دعویٰ چہ معنی؟!!!قرآن''لاریب فیہ'' حیثیت صرف اس صورت میں برقرار رہ سکتی ہے جبکہ حامل قرآن کی'' سند'' ساتھ ہو-

فہم قران میں حدیث کا بنیادی کردار

وَکَیْفَ تَکْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلیٰ عَلَیْکُمْ اٰیٰتُ اللہِ فِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ وَ مَنْ یَّعْتَصِمْ بِا للہِ فَقَدْ ھُدِیَ اِلیٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ(آل عمران - ١٠١)

''اور تم کیسے کفر سکتے ہو' حالانکہ تم کو اللہ کی آیات پڑھ کو سنائی جاتی ہیں اور تم میں اللہ کا رسول موجود ہے اور جو اللہ کا دامن مضبوطی سے تھامے گا وہ ضرور راہ راست پالے گا'

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ (النحل - ٤٤)

'' اور ہم نے یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تا کہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح وتوضیح کرتے جاؤ جو ان کیلئے اتاری گئی ہے''

یَامُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْھَاھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ یُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبَائِثَ وَ یَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ (الاعراف - ١٥٧)

''وہ ان کو معروف کا حکم دیتا ہے اور منکر سے ان کو روکتا ہے اور ان کیلئے پاک

چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ان پر ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اور بندھن اتار دیتا ہے جو ان پر چڑھے ہوئے تھے۔''

وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (الحشر – ۷)

''اور رسول جو کچھ تمہیں دے اسے لو اور جس سے منع کر دے اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔''

رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: '' آگاہ رہو کہ مجھے قرآن کے ساتھ اس جیسی ایک اور چیز بھی دی گئی ہے یہ بات کچھ بعید نہیں کہ ایک شکم بھرا آدمی مسند سے ٹیک لگائے یوں کہے گا کہ قرآن کا دامن تھام لو' اس میں جس چیز کو حلال پاؤ اس کو حلال سمجھو اور جس چیز کو حرام پاؤ اس کو حرام خیال کرو۔ اس میں شبہ نہیں کہ جس چیز کو رسولؐ نے حرام قرار دیا ہو وہ خدا کی حرام کردہ چیز کی طرح ہے۔

امام شافعی تحریر فرماتے ہیں: '' رسول اللہؐ نے اس چیز کو حلال ٹھہرایا جو کتاب اللہ میں حلال تھی اور اس چیز کو حرام قرار دیا جو کتاب اللہ میں حرام تھی۔''

سنت اور حدیث کا کوئی حکم قرآن کے کسی حکم سے منسوخ نہیں ہوتا .....

بالفرض اللہ اپنے رسول کے لئے کسی مسئلہ میں کوئی ایسا نیا حکم دیں جو اس سے مختلف ہو تو لازمی طور پر پہلے اپنے رسول کو اس نئے حکم سے آگاہ فرمائیں گے تاکہ رسول لوگوں کو بتلائیں کہ یہ میری سنت کا نیا حکم ہے۔''

مولانا سید مودودیؒ تحریر فرماتے ہیں: '' آیت کے الفاظ اس امر میں بالکل صریح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کو تشریعی اختیارات (legislative powers) عطا کئے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے '' امر و نہی'' اور تحلیل و تحریم''

صرف وہی نہیں جو قرآن میں بیان ہوئی ہے بلکہ جو کچھ نبیؐ نے حرام یا حلال قرار دیا ہے یا جس سے منع کیا ہے وہ بھی اللہ کے دیئے ہوئے اختیارات سے ہے اس کے لئے وہ بھی قانون خداوندی کا ایک حکم ہے۔''

عمران بن حصین سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص سے (جو سنت وحدیث کا منکر تھا) فرمایا'': تم بڑے احمق ہو! کتاب اللہ میں تم نے کہیں پڑھا ہے کہ ظہر کی چار رکعتیں ہیں جن میں قرآن آہستہ پڑھا جاتا ہے؟ اس کے بعد انہوں نے نماز، زکوٰۃ وغیرہ کے احکام کا ایک ایک کرکے ذکر کیا اور اس سے پوچھا: کیا تمہیں کتاب اللہ میں اس کی تفصیلات ملتی ہیں؟ یقیناً کتاب اللہ میں یہ تمام احکام مجمل اور مبہم طور پر مذکور ہیں اور رسول اللہؐ نے احادیث میں انہیں احکام کی تفسیر و تفصیل بیان فرمائی ہے۔''

'' بنو اسد قبیلہ کی ایک عورت سیدنا عبداللہ بن مسعود کے پاس آئی اور کہا:'' اے ابوعبدالرحمٰن میں نے سنا ہے کہ آپ نے ایسی عورتوں پر لعنت کی ہے جو بدن کی کھال گودتی ہیں یا گدواتی ہیں، جو پیشانی کے بال نوچتی یا نچواتی ہیں، جو دانتوں کے درمیان خوبصورتی کے لئے خلا کرتی یا کراتی ہیں اور اس طرح اللہ کی فطری ساخت اور بناوٹ میں تبدیلیاں پیدا کرتی ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا'': میں اس فعل پر کیوں نہ لعنت کروں جس پر اللہ کے رسولؐ نے لعنت کی ہے اور وہ قرآن میں بھی موجود ہے'' اس عورت نے کہا'': بخدا میں نے اول تا آخر پورا قرآن پڑھا ہے مجھے تو قرآن میں ایسی آیت نہیں ملی۔ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا'': اگر واقعی تو قرآن پڑھتی ہے تو تجھے یہ آیت کریمہ ضرور ملتی کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے

:.....

" وَمَا اٰتٰکم الرّسول فخذوہ و ما نھاکم عنہ فانتھوا"

قرآن کریم نسخہ شفا اور کبھی نہ بجھنے والا چراغ ان لوگوں کے لئے ہے جو اس کی نبوی تفسیر کو کافی سمجھتے ہیں - نبیؐ کی تیئس سالہ نبوی حیات طیبہ روز روشن کی طرح واضح ہے کہ آپ نے بسا اوقات '' وحی جلی'' کا انتظار فرمائے بغیر بھی احکامات شرعیہ نافذ فرمائے اور قرآن نے ان احکامات کی تصدیق فرمائی کیونکہ سنت کے احکام'' وحی خفی'' کے ذریعہ اللہ کی جانب سے نافذ ہوتے - لہٰذا قرآن کی ضرورت کے لحاظ سے سنت وحدیث قرآن کے ساتھ برابری کا درجہ رکھتی ہے - قرآن مجید فلاح دارین کا وعدہ انہی لوگوں سے کرتا ہے جو آپ کی اتباع کرتے ہیں - اور جو اس تربیت گاہ سے راہ فرار اختیار کرے اس کے لئے ہلاکت وگمراہی کے سوا کچھ نہیں ہے -

قرآن حکیم نے کچھ احکام کلی اور کچھ اجمالی بیان کئے ہیں جن کی تعلیم وتفہیم کے لئے شارح کی ضرورت تھی جو صاحب کتاب کے ذریعہ پوری کردی گئی - یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآن کا نزول تیئس سال کے عرصہ میں مکمل ہوا یہ اس لئے ہوا کہ اس کیساتھ اس کی تعلیم بھی سنت رسول سے مکمل کرنا اللہ تعالیٰ کو منظور ومطلوب تھا - بعض مقامات پر الفاظ قرآنی کے دو یا زیادہ مفہوموں کو احتمال ہوتا ہے کہ سنت ان میں سے کسی ایک مفہوم کو متعین کردیتی ہے - مثلاً چور کے لئے قطع ید کی سزا، زکوٰۃ کے متعلق احکامات، محرمات کا بیان، آیت وضو میں حکم وغیرہ، بعض اوقات کسی چیز کے متعلق قرآن کسی علت پر مبنی حکم کی تصریح کرتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حکم کے ذریعے اس چیز کو جس میں وہ علت موجود ہو قرآن کے حکم میں داخل کردیتے ہیں - مثلاً نکاح کی حلت میں '' ولی'' کی شرط کا عائد کرنا کہ ولی کی

اجازت کے بغیر نکاح حرام ہے- رضاعی رشتوں کو اس طرح حرام قرار دیا جس طرح نسبی رشتے حرام ہیں-

سنت وحدیث کے بارے میں ایک مومن کا کیا عقیدہ ہونا چاہئے-اس سلسلے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے......:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللهُ وَرَسُولُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ

"کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ فرما دیں تو انہیں کوئی اختیار باقی رہے-"

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِى اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا☆(النساء: ٥٦)

"تیرے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی مشاجرات میں آپ کو حکم نہ ٹھہرائیں اور پھر آپ جو فیصلہ صادر فرمائیں اس کے خلاف اپنے دل میں کوئی تنگی نہ پائیں اور سر تسلیم خم کر دیں-

یعنی قرآن کو سمجھنے کے لئے اپنی موشگافیاں بند کر دو جب بھی نزاع کی صورت پیدا ہو جائے اور کسی طرف سے کوئی دعوے اٹھے تو حدیث نبوی میں حل تلاش کرو- آپکا فیصلہ اور حکم مومنین کے لئے فرض قرار دیا گیا ہے- اسی لئے اللہ تعالی نے" قرآن وحدیث" کو قیامت تک کے لئے سر چشمہ ہدایت قرار دیا ہے جس نے کسی ایک کو چھوڑا وہ صراط مستقیم سے بھٹک گیا- (اللھم لا تجعلنا منھم)

سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں:" مجھے رسول اللہ کی جو بھی حدیث ملی میں نے اس کا

مصداق کتاب اللہ میں ٹھیک ٹھیک پایا (ابن ابی حاتم) فاضل مصنف محمد اسد تحریر فرماتے ہیں: ''آج جب کہ اسلامی ممالک میں مغربی تہذیب کا اثر ونفوذ بہت بڑھ چکا ہے- ہم ان لوگوں کے تعجب انگیز رویہ میں'' جن کو روشن خیال مسلمان'' کہا جاتا ہے ایک اور سبب پاتے ہیں وہ کہتے ہیں: '' ایک ہی وقت میں رسول اللہؐ کی سنتوں پر عمل کرنا اور زندگی میں مغربی تہذیب کو اختیار کرنا ناممکن ہے- جن لوگوں کی نگاہوں کو مغربی تہذیب وتمدن خیرہ کر چکا ہے وہ اس مشکل سے اپنے آپ کو اس طرح نکالنا چاہتے ہیں کہ سنت وحدیث کا بالکل یہ کہہ کر انکار کر دیں کہ سنت نبویؐ کا اتباع مسلمانوں پر لازم نہیں- کیونکہ اس کی بنیاد ان احادیث پر ہے جو قابل اعتبار نہیں ہیں- اس مختصر عدالتی فیصلے کے بعد قرآن کریم کی تعلیمات کی تحریف کرنا اور مغربی تہذیب وتمدن کی روح سے انہیں ہم آہنگ کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے-''

پھر تحریر کرتے ہیں.....:

''سنت نبویؐ ہی وہ آہنی ڈھانچہ ہے جس پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے اگر آپ کسی عمارت کا ڈھانچہ ہٹا دیں تو کیا آپ کو اس پر تعجب ہوگا کہ عمارت اس طرح ٹوٹ جائے جس طرح کاغذ کا گھروندا-'' (حدیث کا بنیادی کردار: ص ۴۲)

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل السلفی تحریر فرماتے ہیں: '' ..... ہمارے دوست (منکرین حدیث) غور کریں کہ یہ کونسا مقام ہے جو آپ نبیؐ کو عنایت فرما رہے ہیں- ایک شخص اپنے باپ کے متعلق کہتا ہے کہ میں اس کا بیٹا تو نہیں لیکن ویسے وہ شریف آدمی ہے- یورپ کے اکثر بے دین آپؐ کو مقدس انسان سمجھتے ہیں، لیکن پیغمبر نہیں سمجھتے - یہی حیثیت '' حضرات اہل قرآن'' نے آپؐ کو عنایت فرمائی ہے- وہ دیانتہ سوچیں کہ مقام نبوت اور عام عالم کے مقام میں کیا فرق ہے-''

ان حضرات (منکرین حدیث وعقلیت پرست مفسرین) کی کتنی خودفریبی اور کم عقلی ہے کہ وہ اپنے آپ کوتو اس کا اہل سمجھتے ہیں کہ قرآن حکیم کی تفسیر وتوضیح کرنے کے وہ خود قابل ہیں- اوروہ ذات جواللہ تعالیٰ سے قرآن لے کرآئی جس کو قرآن حکیم نے تفسیر وتعبیر کا اختیار عنایت فرمایا اس کی اہل نہیں ہے- یہ ''نئے لوگ'' کیا نہیں جانتے کہ قرآن حکیم کی نبوی تفسیر کا انکار کرکے کہیں وہ ایک ''نئے قرآن'' نئے رسول'' کی طرف دعوت تو نہیں دے رہے؟ دراصل ''قرآنی نظام'' اور'' اصلاحی قرآن'' کے یہ نئے'' فریب کار'' قرآن مجید کے ہر حکم اور مسئلہ کی تفسیر اپنی'' فریب خوردہ عقل'' کے مطابق کرنے کو کافی سمجھتے ہیں- اگر قرآن کی بھی کوئی آیت ان کے'' خودساختہ عقلی معیار'' پر نہیں اترتی تو اس کی دور از کار تاویل کرکے قرآن کے چہرے سے'' خلاف عقل'' ہونے کا داغ مٹانے کی ناکام سعی کرتے ہیں- حدیث نبویؐ تو ان کے'' عقلی معیار'' کا مقابلہ ہی نہیں کرسکتی-

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (النور: ٦٣)

'' پس رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہئے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آ جائے-''

اوراس طرح وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ'' سنت رسول'' کا سارا ذخیرہ نیست ونابود ہو جائے اور اسکی جگہ انکے نئے استنباطات قرآن کریم کا'' حقیقی ایڈیشن'' اور'' مستند مخزن'' قرار پائیں- ان حضرات نے اسلام کے منور آئینے (قرآن وحدیث) کو مکدر کرنا چاہا مگر ہر دور میں ان'' فتنہ پردازوں'' کی آرزوؤں کو خاک میں ملانے والے اللہ تعالیٰ نے ایسے مسلمان پیدا فرمائے جنہوں نے ان کی

فتنہ کاریوں کو خاکستر کر کے اسلام کی شمع کو روشن رکھا - جب سارا علم" حدیث و سنت" قران مجید کی تفسیر و تعبیر ٹھہرا تو یہ سمجھ لو کہ قرآن کی تفہیم علم سنت پر موقوف ہے - پس جس کو علم حدیث نہیں وہ عالم قرآن نہیں ہوسکتا - (ترجمان القران بلطائف البیان: ص-۱۰-از والاجاہ نواب صدیق حسن خان

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

امام ابن تیمیہؒ بحیثیت محدث

نام ونسب

امام ابن تیمیہؒ کا پورا نام تقی الدین ابو العباس احمد بن شہاب الدین ابو المحاسن عبدالحلیم بن امام مجد الدین ابو البرکات عبدالسلام بن ابو محمد بن عبداللہ بن ابو القاسم الخضر بن محمد بن الخضر بن علی بن عبداللہ بن تیمیہؒ ہے(۱)

پیدائش

آپ شام کی ایک معروف بستی حران میں ۱۰ ربیع الاول پیر کے روز ۶۶۱ھ (۲۲ جنوری ۱۲۶۳ھ) میں پیدا ہوئے۔(۳)

وفات

ابن تیمیہؒ نے ۷۲۸ھ میں دمشق کے قید خانے میں وفات پائی۔(۳)

آپ ذوالقعدہ کی ابتداء میں بیمار ہوئے اور بیس روز کے بعد پیر کے دن دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔(۴) اناللہ وانا الیہ راجعون۔

تعلیم وتربیت

ابن تیمیہؒ نے علمی گھرانے میں آنکھ کھولی۔عمر کے ساتویں سال بستی حران سے دمشق (شام) ہجرت کرنا پڑی۔جامع دمشق کا علمی ماحول ابن تیمیہ کی تعلیم و تربیت کے لئے بے حد سازگار ثابت ہوا۔بچپن میں ہی قرآن مجید حفظ کرلیا۔اللہ تعالی نے بے پناہ حافظہ عطا فرمایا تھا۔زندگی بھر ذوق وشوق سے قرآن مجید کی تلاوت اور دور کرتے رہے۔تلاوت سے اس قدر شغف تھا کہ جیل میں بھی کبھی ناغہ نہ کیا۔مورخین نے لکھا ہے کہ جیل میں انہوں نے 80 سے زیادہ مرتبہ قرآن مجید ختم

کیا اور سورۃ القمر کی آیت نمبر ۵۴:

﴿ ان المتقین فی جنت و نھر' فی مقعد صدق عند ملیك مقتدر ﴾

''یقیناً پرہیز گار لوگ جنت کے باغوں اور نہروں میں ہوں گے جو عزت وصداقت کی جگہ ہے' شاہ دو جہاں قادر مطلق کے نزدیک بیٹھے ہوں گے''..... پر روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔''(۶-۵)

حفظ قرآن مجید کے بعد ابن تیمیہ نے دوسرے تمام مروجہ علوم کی طرف توجہ کی اور علم وفضل سے اپنے دامن کو مالا مال کیا۔خصوصاً علم تفسیر اور علم لغت پر توجہ دی۔ اپنے علم کا آغاز عقائد اور عقائد میں بھی خصوصاً توحید سے کیا۔شریعت کے اس علم میں ابن تیمیہ نے اپنی زندگی کھپا دی۔کتاب اللہ کی تفسیر پر محنت شاقہ کی' حدیث اور اس کے متعلقہ علوم میں خوب دسترس حاصل کی' ساتھ ساتھ فقہ اور اصول فقہ میں عبور حاصل کیا۔

چونکہ ہمارا موضوع امام ابن تیمیہؒ بحیثیت محدث ہے' اس لئے ہم اس موضوع کی نسبت سے ابن تیمیہ کے علم حدیث پر بات کریں گے۔

حفظ حدیث

ابن تیمیہ کے دور میں حدیث کی کتابت' حفظ حدیث اور سماع حدیث کا عام چرچا تھا۔آپ نے سب سے پہلے امام حمیدی کی کتاب'' الجمع بین الصحیحین'' حفظ کی۔(۷)

پھر اس دور کے اساتذہ خصوصاً علمائے شام سے حدیث سنی۔ان کے شاگرد رشید کا بیان ہے کہ حدیث میں ابن تیمیہ کے شیوخ کی تعداد ۲۰۰۰ سو سے بھی متجاوز

ہے:

" وشیوخه الذین سمعه اکثر من مائتی شیخ" (۸)

ابن تیمیہ نے مسند احمد بن حنبلؒ، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، سجستانی اور سنن دار قطنی وغیرہ کی بار بار سماعت کی۔ ابن تیمیہ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ انہیں علم و عمل کی فضاء میں سانس لینا اور نشونما پانا نصیب ہوا۔ ان کے والد متواتر چالیس سال تک جامع دمشق میں شیخ الحدیث رہے۔(۹)

صاحب معجم المولفین نے لکھا ہے:

انصرف الشیخ تقی الدین الی تحصیل العلم ولم لا ...... وھومن بیت عریف اشتھر بھذا الامر حتیٰ اصبح غالباً علیہ فعنی بدراستہ الحدیث وعلومہ و نسخ جملۃ منہ"(۱۰)

" پھر ابن تیمیہ حصول علم کے لئے نکلے، وہ کیوں نہ نکلتے؟ وہ ایک ایسے علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس کا علم میں شہرہ تھا، حتیٰ کہ ابن تیمیہ نے علم پر غلبہ حاصل کرلیا اور انہوں نے حدیث اور اس کے علوم اور اس کے ناسخ و منسوخ کے جملہ علوم بھی حاصل کئے"

علم حدیث پر عبور

ابن تیمیہ کی خصوصیات میں یہ ہے کہ انہیں "علم حدیث" پر مکمل عبور رہے۔ پوری اسلامی تاریخ میں صرف ابن تیمیہ کی شخصیت ایسی ہے جن کے بارے میں کہا گیا ہے:

کل حدیث لا یعرفه ابن تیمیه فلیس بحدیث" (۱۱)

"ہر وہ حدیث جسے ابن تیمیہ نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں ہے"

یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ احادیث کو بیان کرتے وقت وہ کس

طرح اس کی صحت وسقم کا حوالہ دیتے ہیں‘انہیں احادیث کے متن تک یاد ہیں‘‘

" وحفظ الحديث و رجاله و صحته و سقمه فيما يلحق فيه" (۱۲)

’’نہ صرف متن یاد ہیں بلکہ حدیث کے رجال‘اس کی صحت وسقم کی کیفیت سے بھی واقف ہیں اور اس فن میں کوئی ابن تیمیہ کا سہیم وشریک نہیں‘‘

ڈاکٹر رشاد سالم لکھتے ہیں:

" اما معرفته بصحيح المنقول وسقيمه فانه فی ذلك من الجبال التی لا ترتقی ذروتها ولا ينال سنامها قل ان ذكر له قول الا وقد احاط علمه بمبتكره و ذاكره و ناقله واثره‘ اوراو الا وقد عرف حاله من جرح و تعديل باجمال وتفصيل" (۱۳)

’’جہاں تک حدیث رسولؐ کے صحیح اور سقیم کی معرفت کا تعلق ہے تو ابن تیمیہ اس فن میں پہاڑ کی ایسی چوٹی اور بلندی ہیں‘جسے سر نہیں کیا جاسکتا -بہت کم ایسا ہوا کہ ان کے سامنے کوئی قول بیان ہوا -مگر انہیں ان کے قائل‘ناقل اس کے اچھوتے ہونے کا علم نہ ہو‘یا کسی راوی کا ذکر ہوا تو جرح وتعدیل کے اعتبار سے اس کا اجمالی اور مفصل علم حاصل نہ تھا‘‘

ابن تیمیہ نے حدیث کی تعریف میں بھی ایک لطیف نکتہ پیدا کیا فرماتے ہیں:

’’حدیث نبوی کا اطلاق رسول اکرم- کی نبوت کی زندگی کے ان اعمال پر ہوتا ہے جو بعد از نبوت صادر ہوئے -آپ ﷺ کے قول پر‘آپؐ کے فعل پر (طریقہ) اور آپؐ کی تقریر پر (پسند‘اقرار سے ہے) سنت ان تین وجوہات سے بھی ثابت ہوتی ہے‘آپ نے جو کچھ فرمایا‘اگر تو وہ خبر کی حیثیت میں ہے تو اس کی تصدیق

واجب ہے' اگر وہ شرعی قانون ہے' کسی حلال وحرام کے حکم میں یا اباحت کے ضمن میں ہے تو اس پر عمل (اتباع) واجب ہے' کیونکہ انبیاء کی نبوت پر دلالت کرنے والی آیات قرآنیہ یہ خبر دیتی ہیں کہ پیغمبر اپنے پروردگار سے خبر بیان کرنے میں معصوم ہوتے ہیں' ان کی خبر برحق ہوتی ہے اور یہی نبوت کا مفہوم ہے- نبی کی بات ضمانت مہیا کرتی ہے کہ اللہ اسے غیب کی خبر دیتا ہے اور نبی لوگوں کو اللہ کے بتائے ہوئے غیب سے آگاہ کرتا ہے اور رسول اللہ ؐ کائنات کو اللہ کی پیغام رسانی کے لئے مامور ہوتا ہے'' (۱۴)

علم حدیث پر عبور کے ناطے سے ہم دیکھتے ہیں کہ ابن تیمیہؒ حدیث کی کتابوں اور ائمہ حدیث کے بارے میں بلا جھجک اپنی رائے دیتے ہیں حدیث رسول ؐ کے ناطے سے کسی بڑے سے بڑے محدث یا امام کی پروا نہیں کرتے- جو بات حق اور سچ ہے اسے بلاخوف لومۃ لائم' ببانگ دھل بیان کرتے ہیں انہیں خود صحاح ستہ کے متون ازبر ہیں- صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں ان کا نظریہ ہے کہ یہ رسول اکرم ؐ کے اقوال سے عبارت ہیں- لکھتے ہیں:

وعلی هذا فکثیر من متون الصحیحین متواتر اللفظ عند اهل العلم بالحدیث و ان لم یعرف غیرهم انه متواتر' ولهذا کان اکثر متون الصحیحین مما یعلم علماء الحدیث قطعیا ان النبیؐ قاله تارة لتواتره عندهم' و تارة لتلقی الامة له بالقبول'' (۱۵)

'' اس لحاظ سے اہل حدیث علماء کے نزدیک صحیحین کے متون متواتر ہیں' اگرچہ بعض دوسرے علماء اسے متواتر نہیں مانتے' علماء حدیث کے نزدیک یہ بات حتمی اور قطعی ہے کہ صحیحین کے متن رسول اکرم ؐ سے تواتر سے ثابت ہیں' کبھی آپ ؐ

نے یہ صحابہ کرامؓ سے باتیں فرمائیں۔کبھی آپ ﷺ نے اس خیال سے بات کہی کہ امت اسے صحیح معنوں میں قبول کرے''

صبری المتولی' ابن تیمیہ کے صحاح ستہ کے متن حفظ کرنے سے متعلق لکھتا ہے:

" وقد حفظ ابن تیمیہؒ قدرا کبیر جدا من کتب السنۃ ذکرنا بعضا منھا عند الحدیث عن مصادرہ ' ومن المعروف ان اصحاب ھذا الکتب لیسوا سواءفی مستوی الصحۃ ولھذ افقد فاضل بینھم منھا علی مستوی العدالۃ والضبط والصحۃ" (١٦)

''ابن تیمیہؒ سنت کی کتابوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ حفظ ہے' جس کا بیان ہم حدیث کے مصادر کے ضمن میں کر چکے ہیں۔یہ بات معروف ہے کہ ان سب کتابوں کے مصنف صحت کے اعتبار سے ایک جیسے نہیں ہیں' اس لحاظ سے ابن تیمیہؒ حدیث کے ضبط' عدالت اور صحت کے فن میں ان کے درجات بتاتے ہوئے بعض کو بعض پر فوقیت دی۔''

جہاں بخاری شریف کی صحت کو مسلم شریف کی صحت پر ترجیح دیتے ہیں' وہاں مسلم شریف کے الفاظ کو بخاری پر ترجیح دیتے ہیں:

ان مسلم ینفرد بعرض عنھا البخاری و قد یکون الصواب مع المسلم و ذھب الیتفضیل البخاری و مسلم علی موطا الامام مالک" (١٧-١٨)

''امام مسلم الفاظ میں بخاری کی نسبت منفرد ہیں اور صواب امام مسلم کے ساتھ ہے اسی طرح ابن تیمیہؒ بخاری اور مسلم کو موطا امام مالک پر ترجیح دیتے ہیں۔''

پھر امام احمد بن حنبل کے بارے میں فرماتے ہیں:

"...... من نقل عن احمد (امام احمد) انه یحتج بالحدیث الضعیف الذی لیس بصحیح ولا حسن فقد غلط علیه" (۱۹)

"جس نے امام احمد کے بارے میں یہ خیال کیا کہ وہ ایسی ضعیف حدیث جو کہ نہ صحیح ہے نہ حسن، سے استدلال کرتے ہیں تو اس نے امام احمدؒ کو غلط سمجھا"

اب ہم ابن تیمیہ کی اس مہارت (حدیث) کو مختلف عنوانوں سے بیان کرتے ہیں:

صحت کتب حدیث

کتب احادیث کی عام صحت کے بارے میں ابن تیمیہؒ کے ان کے درجات یوں بیان کئے ہیں:

" فذکران اصح کتب الحدیث البخاری ثم مسلم، و ما جمع بینھما الحمیدی ولا شبیلی و بعد ذالک السنن سنن ابن داوٗد، والنسائی، وجامع الترمذی، ثم المسانید، مسند الشافعی، و مسند احمد بن حنبل"(۲۰)

"صحیح ترین کتب (احادیث) اس طرح ہیں: بخاری شریف، پھر مسلم شریف، حمیدی اور اشبیلی نے جو جمع کیا، (الجمع بین الصحیحین) اس کے بعد سنن کا درجہ ہے، سنن ابی داوٗد، سنن نسائی، جامع ترمذی، پھر مسانید آتی ہیں، مسند امام شافعیؒ مسند احمد بن حنبل وغیرہ)"

وذهب الی ان شرط احمد فی مسنده اجواد من شرط ابی داؤد وا ستحسن قول الامام احمد" ضعیف الحدیث خیر من الرائی ...... و ضعیف الحدیث عند احمد ...... کما ذکرنا ...... هو الذی خف ضعفه حتی ارتقی الی مرتبة الحسن" (۲۱)

''ابن تیمیہ نے مسند احمد کی شرائط کو سنن ابی داؤد سے بہتر قرار دیا ہے- نیز امام احمد بن حنبل کے اس قول کی بھی تحسین کی ہے کہ'' ضعیف حدیث رائے سے بہتر ہے'' امام احمدؒ کے نزدیک ضعیف وہ ہے جس کا ضعف بہت کم ہو اور وہ'' حسن'' کے مرتبہ تک پہنچ جائے-''

ابن تیمیہ اور بڑے بڑے ائمہ کرام کا محاسبہ

ابن تیمیہ کو علم حدیث پر اس قدر عبور تھا کہ بڑے بڑے ائمہ کرام کی عظمت بھی انہیں اس بات سے مانع نہیں تھی کہ حدیث کے ضمن میں ان کی لغزشوں یا غلطیوں کو بے نقاب کریں-'' علل الحدیث'' کے سلسلے میں ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ علماء نے احادیث کو متن اور سند کے اعتبار سے خوب جانچا ہے لہٰذا کسی امام کی قدر و منزلت انہیں اس بات سے نہیں روکتی کہ وہ حدیث رسولؐ کے عیب کو بیان نہ کریں- منہج میں ہے:

" وقد عرض لنا ابن تیمیہؒ طرفاً من جھد العلماء الناقدین فی ھذا المجال و نھم دققو افی علل الاحادیث جمیعھا بالنظر الی سندھا و متنھا ولایصرفھم عن ذلك شرف جامعھا ا و علو منزلتہ''

(۲۲)

اس کے بعد صاحب منہج ایک مثال سے بات کو واضح کرتے ہیں:

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: اس کی مثال مسلم شریف کی حدیث ہے'' اللہ تعالیٰ نے زمین (مٹی) کو ہفتہ کے روز پیدا کیا' پہاڑوں کو اتوار' درختوں کو سوموار اور ناپسندیدہ اشیاء منگل کے روز اور نور بدھ کے روز اور چوپائے اس میں جمعرات کے روز پھیلائے اور آدم کو جمعہ کے روز پیدا کیا''..... یہ دراصل ان لوگوں پر طعن ہے جو

امام مسلم سے زیادہ عالم ہیں جیسے یحییٰ بن معین' امام بخاری اوران دونوں کے علاوہ دیگران جیسے علماء و آئمہ کرام- امام بخاری نے لکھا ہے کہ یہ حدیث نہیں بلکہ کعب بن الاحبار اور چند ایسے لوگوں کی جماعت کا قول ہے جو اس کی صحت کے قائل تھے جیسے ابو بکر بن الانباری' ابو الفرج بن الجوزی وغیرھما' امام بیہقی وغیرہ نے ان لوگوں کی موافقت کی جنہوں نے اسے ضعیف جانا اور یہی بات (کہ یہ حدیث ضعیف ہے) صحیح ہے-''(۲۳)

یہاں صبری المتولی نے ابن تیمیہ کی جرات کو داد دی ہے' لکھتے ہیں:

" ثم نجد ان هيبة الامام مسلم لم تمنع ابن تيميه من الشهادة ضده فيقول على الفور موافقا الذين ضعفو الحديث هذا هو الصواب" (٢٤)

''پھر ہم دیکھتے ہیں کہ امام مسلمؒ کی ہیبت ابن تیمیہؒ کو ان کے خلاف گواہی سے نہیں روکتی' ابن تیمیہؒ ان ائمہ کرام کی موافقت میں جنہوں نے حدیث کو ضعیف سمجھا ہے' فی الفور کہہ دیتے ہیں کہ یہی بات صحیح ہے''

ابن تیمیہ کا دعویٰ دراصل بلا دلیل بھی نہیں ہے' وہ خود چونکہ علل احادیث سے واقف ہیں اس لئے دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

" لانه قد ثبت بالتواتر ان الله خلق السموات والارض و ما بينهما فى ستة ايام و ثبت ان آخر الخلق كان يوم الجمعة فيلزم ان يكون اول الخلق يوم الاحد' و هكذا هو عند اهل الكتاب و على ذالك تدل اسماء الايام وهذا المنقول الثابت فى احاديث و آثار اخرى' ولو كان اول الخلق يوم السبت و آخر يوم الجمعة لكان قد

خلق فی الایام السبعة و هو خلاف ما اخبر به القرآن" (۲۵)

"کیونکہ یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اسے چھ دنوں میں پیدا کیا اور یہ بات ثابت اور برحق ہے کہ آخری مخلوق یوم جمعہ کو پیدا ہوئی، پس لازم ہے کہ تسلیم کیا جائے کہ پہلی تخلیق یوم الاحد (اتوار) کو ہوئی، اہل کتاب کے ہاں بھی یہی ثابت ہے، اسی پر دنوں کے نام دلالت کرتے ہیں- دوسری احادیث و آثار میں بھی یہی بات ثابت ہے- اگر پہلی تخلیق یوم سبت (ہفتہ) کی مانی جائے اور آخری تخلیق یوم جمعہ کی تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ تخلیق کا عمل سات دن جاری رہا، جو کہ قرآن کے خلاف ہے"

ابن تیمیہ بات کو یہاں ختم نہیں کرتے بلکہ اپنے علم و فضل کے زور پر اپنی حق بات کو اور زیادہ واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس (ثبوت) کے علاوہ ماہرین اہل الحدیث سے بھی اس حدیث کی علت دوسرے طریقوں سے ثابت ہے کہ اس میں فلاں راوی ان اسباب کی وجہ سے غلط ہے، اس علم کو ہی دراصل "علل الحدیث" کا علم کہتے ہیں- اگرچہ حدیث کی اسناد بظاہر جید ہوتی ہیں مگر دوسرے طریقے سے بھی یہ بات معلوم ہے کہ راوی غلط ہے، جب اس کی چھان پھٹک ہوئی تو حدیث موقوف ثابت ہوئی- یا اس کی سند کی پڑتال کی گئی تو وہ مرسل ثابت ہوئی یا حدیث میں حدیث داخل ہوگئی..... یہ فن بہت اچھا ہے، یحییٰ بن سعید انصاری ان کے ساتھ علی بن مدینی پھر امام بخاری، اس علم کو بہت زیادہ جاننے والے تھے، یہی حال امام احمد، امام حاتمؒ، نسائیؒ اور دارقطنیؒ کا بھی تھا- اس سلسلے میں بہت سی تصنیفات ہیں..... خود بخاری شریف میں تین احادیث ایسی ہیں جن کی صحت پر بعض اہل فن نے کلام کیا ہے- ان میں سے ایک "ابوبکرۃ"

والی حدیث ہے جو سیدنا حسنؓ سے روایت کرتے ہیں (رسول اکرمؐ نے فرمایا: میرا یہ بیٹا سردار ہے' اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا) اس حدیث پر محدثین کے ایک گروہ نے نقد ونظر کی ہے- ان میں ابو الولید الباجی بھی ہے- بعض کا گمان ہے کہ سیدنا حسنؓ نے ابو بکرۃ سے حدیث نہیں سنی- لیکن صحیح رائے امام بخاری کی ہے- سیدنا حسنؓ نے ابو بکرۃ سے حدیث سنی ہے' جیسا کہ اور بھی بہت سے مواقع پر بات واضح ہو چکی ہے- امام بخاری اس فن میں امام مسلمؒ کی نسبت کہیں زیادہ ماہر ہیں-(۲۶)

یہ ہے ابن تیمیہ کا علم حدیث پر عبور کہ انہیں نہ یہ کہنے میں باک ہے-

" ثم ینفرد بالفاظ یعرض عنها البخاری و قد یکون الصواب مع مسلم" (۲۷)

اور نہ انہیں یہ کہنے میں کوئی جھجک ہے-

لکن الصواب مع البخاری..... والبخاریؒ احذق و اخبر بهذا الفن من المسلم" (۲۸)

"اور صواب امام بخاری کے ساتھ ہے..... امام بخاریؒ اس فن میں امام مسلمؒ کی نسبت زیادہ ماہر اور زیادہ علم رکھنے والے ہیں"

ابن تیمیہ کی اس صفت پر صبری المتولی کا بڑے خوبصورت پیرائے میں تبصرہ ہے:

" و هکذا اکتشف ابن تیمیه ان لعلة القادحة فی صحة الحدیث کانت فی المتن' بینما انصرف معظم اهل الحدیث الی اکتشاف العلل القادحةفی المسند و لکن اکتشاف علل المتن

تحتاج الی مزید من سعة العلم وطول الخبرة و نور الموهبة و قد اوتی ابن تیمیه هذا کله" (۲۹)

"اسی طرح ابن تیمیہ نے انکشاف کیا ہے کہ صحت حدیث میں یہ علت متن میں تھی جبکہ اہل حدیث کے ایک کثیر گروہ نے یہ علت سند میں تلاش کی' لیکن متن میں علت کو ڈھونڈنے کے لئے بڑے وسیع علم اور تجربے اور خداداد نور کی ضرورت تھی' اور ابن تیمیہ کو یہ سب کچھ عطا ہوا تھا۔"

ابن تیمیہ دوران تفسیر کس طرح اس علم لدنی کو استعمال کرتے ہیں؟ یہ مثالوں سے واضح ہوگا.....:

مثال نمبر 1 - سورہ توبہ: آیت 117

﴿لقد تاب الله علی النبی والمهاجرین والانصار الذین اتبعوه فی ساعة العسرة من بعد ما کاد یزیغ قلوب منهم ثم تاب علیهم انه بهم رؤف رحیم﴾ (التوبه: 117)

"بے شک اللہ نے پیغمبر' مہاجرین اور انصار پر مہربانی کی' باوجود اس کے کہ ان میں سے بعض کے دل جلد پھر جانے کو تھے (وہ مشکل کی گھڑی میں پیغمبر کے ساتھ رہے) پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی' بے شک وہ ان پر بہت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔"

میں توبہ واستغفار کے ضمن میں بہت سی دعائیں لکھی ہیں اور ہر دعا سے پہلے حدیث کی کتاب کا حوالہ دیا ہے:

و فی الصحیحین ..... و فی الصحیح..... و فی الصحیحین" و قد ثبت فی الصحیح" و قد ثبت فی الصحیحین" و ثبت عنه فی

الصحیح' و فی الحدیث عن النبی ﷺ کل بنی آدم خطاء و خیر الخطائین التوابون" (رواہ ابن ماجہ والترمذی)(۳۲-۳۱-۳۰)

ہر حدیث کے شروع میں یا تو اس کتاب کا حوالہ دیا ہے' راوی کا حوالہ دیا ہے' یا شروع میں اگر حوالہ نہیں دیا تو آخر میں بتا دیا ہے کہ یہ حدیث ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کی ہے شاذ و نادر ہی ایسا ہوا ہے کہ حدیث کے بارے میں ابن تیمیہ نے حوالہ نہ دیا ہو' اگر حدیث ثقاہت سے کچھ ہٹی نظر آئی تو خاموش نہیں رہے بلکہ فوراً کہا: وفیہ نظر'' صحیح ہوئی تو فرمایا:

فی الحدیث المتفق علی صحتہ' کما فی الحدیث الصحیح الالھی" عن اللہ" مما عبادی انما ھی اعمالکم احصیھا لکم ثم او فیکم ایاھا' فمن وجد خیر فلیحمد اللہ و من وجد غیر ذالك فلا یلومن الانفسہ -(۳۵-۳۴-۳۳)

''کسی جگہ صحابی کا نام اور کتاب کا نام بھی دیتے ہیں: کمافی حدیث ابی سعید الذی فی الصحیح ''(۳۶)

کسی جگہ یوں لکھا ہے: وقد ثبت فی صحیح البخاری ان ابا ھریرۃ قال قال الرسولؐ (۳۷)

کسی جگہ یوں لکھا ہے: وفی الصحیحین عن انس عن النبیؐ وفی السنن عن البراء بن عاذب عن النبیؐ وفیھا عن ابی امامۃ عن النبی وفی الصحیح عن ابی سعید الخدری عن النبیؐ وفی الصحیح من حدیث ابن مسعود عنہ''(۳۸)

مثال نمبر 2- اللہ عرش پر ہے

اللہ عرش پر ہے'' کے ضمن میں گیارہ آیات کا حوالہ دینے کے بعد احادیث

سے اللہ کے عرش پر ہونے کا استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''صحیح اور حسن احادیث میں اس کی اتنی مثالیں (دلائل) ہیں کہ جن کا صرف بمشکل احاطہ کیا جا سکتا ہے: مثلاً

'' اس کی مثال رسول اکرمؐ کا واقعہ معراج ہے۔فرشتوں کا اللہ کی طرف سے نازل ہونا اور اس کی طرف چڑھنا اور رسول اکرمؐ کا ملائکہ کے بارے میں یہ فرمان:'' جو دن رات تمہارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں' جو تمہارے درمیان رات بسر کر کے اللہ کی طرف جاتے ہیں' تو اللہ ان سے (بندوں کے حالات) پوچھتا ہے حالانکہ وہ ان کے حالات سے زیادہ باخبر ہے''

۲۔صحیح بخاری میں حدیث خوارج ہے'' کیا تم میری بات کا یقین نہیں کرتے ہو' حالانکہ میں آسمان والے کی طرف سے امین ہوں' آسمان کی خبریں صبح و شام میرے پاس آتی ہیں''

۳۔حدیث'' رقیہ'' جو ابوداؤد وغیرہ نے روایت کی ہے' اس میں ہے'' اے ہمارے پروردگار! جو آسمان میں ہے' تیرا نام پاکیزہ ہے' تیرا حکم آسمان و زمین پر چلتا ہے' جس طرح تیری رحمت آسمان میں ہے' اسی طرح زمین کو بھی اپنی رحمت عطا فرما' ہمارے گناہوں اور خطاؤں کو معاف کر دے' تو پاکیزہ لوگوں کا پروردگار ہے۔اپنی رحمت سے کچھ رحمت نازل فرما' اس درد پر اپنی شفاء میں سے شفاء عطا فرما۔''

۴۔رسول اکرمؐ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو شکایت ہو۔تکلیف 'مصیبت وغیرہ) یا اس کے بھائی کو کوئی شکایت ہو تو اسے چاہئے کہ کہے:'' اے ہمارے آسمان میں رہنے والے پروردگار! اور اس کو یاد کرے''

۵-حدیث اوعال میں ہے:'' عرش اس سے اوپر ہے'' اور اللہ عرش کے اوپر ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے- احمد' ابو داؤد وغیرہما نے اسے روایت کیا ہے-

۶-حدیث صحیح میں ہے کہ آپ ؐ نے لونڈی سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا'' اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمانوں میں آپ نے فرمایا:'' میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ ؐ اللہ کے رسول ہیں' آپ ؐ نے فرمایا:' اسے آزاد کردو' یہ تو مسلمان ہے-''

۷-حدیث صحیح میں رسول اکرم ؐ کا فرمان ہے:'' بے شک جب اللہ نے مخلوقات کو پیدا کیا تو ایک کتاب میں (تحریر) لکھ دی' اور وہ اس کے پاس عرش کے اوپر رکھی ہوئی ہے (وہ تحریر یہ ہے) بے شک میری رحمت میرے غضب پر چھائی ہوئی ہے-''(۳۹)

۸-حدیث ''قبض الروح'' میں رسول اکرم کا فرمان ہے'' اس روح کو لے کر فرشتے اس آسمان کی طرف پرواز کرتے ہیں جس میں اللہ عزوجل کی ہستی ہے-''

۹-عبداللہ بن رواحہؓ نے وہ اشعار جو انہوں نے رسول اکرم ؐ کو سنائے اور رسول اکرم ؐ نے ان کی تصدیق کی:'' میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کا وعدہ برحق ہے اور جہنم کافروں کا ٹھکانا ہے اور عرش پانی پر طواف کرتا رہا' اور عرش کے اوپر سب جہانوں کا پروردگار ہے''

۱۰-امیۃ بصلت کے اشعار جو انہوں نے رسول اکرم ؐ کو سنائے' رسول اکرم ؐ نے ان اشعار کو تحسین کی نظر سے دیکھا اور فرمایا:'' اس کے اشعار میں ایمان ہے مگر اس کا دل کافر ہے'' ان اشعار کا ترجمہ یوں ہے:

اللہ کی بزرگی بیان کرو، وہی بزرگی کا اہل ہے۔ ہمارا پروردگار آسمان میں ہے اور وہ بہت بلندی پر براجمان ہے، لوگوں سے اوپر ہے، اس نے آسمان پر اپنا تخت سجایا ہے، اتنا اونچا ہے کہ حدنظر کے ادراک سے باہر ہے، اس کے عرش کے بوجھ سے فرشتوں کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں''

۱۱۔مسند میں جو حدیث ہے، اس میں رسول اکرمؐ کا فرمان ہے: بے شک اللہ زندہ و پائندہ ہے، سخی ہے، جب بندہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتا ہے تو وہ شرم محسوس کرتا ہے کہ اس کے ہاتھوں کو خالی لوٹا دے۔

۱۲۔اور رسول اکرمؐ کا فرمان حدیث میں ہے کہ (بندہ) اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتا ہے اور کہتا ہے، اے میرے رب، اے میرے پالنہار!.....

ایسی مثالیں اس قدر زیادہ ہیں کہ جنکا شمار صرف اللہ کر سکتا ہے، یہ احادیث سب تواتر لفظی اور تواتر معنوی سے ثابت ہیں، یہ ایسے یقینی علم سے عبارت ہیں جو لوگوں تک پہنچانا ضروری ہے کہ رسول اکرمؐ نے اللہ تعالیٰ سے متعلق اپنی امت کو آگاہ کیا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ عرش پر ہے۔ عرش آسمان پر ہے، جس طرح اللہ نے تمام امتوں، عرب وعجم کو زمانہ جاہلیت اور اسلام میں ان کی طبعی فطرت پر پیدا کیا، مگر جس امت کو شیطان نے اس کی فطرت سے دور کر دیا (وہ گمراہ ہوگئی) پھر اس سلسلے میں سلف کے اس قدر اقوال ہیں کہ انہیں جمع کیا جائے تو ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ جائے گی۔

۱۳۔ بلکہ صحیح بخاری میں جابر بن عبداللہؓ سے ثابت ہے کہ رسول اکرمؐ نے یوم عرفات کو (حجۃ الوداع) کے روز اپنی زندگی کے عظیم ترین اجتماع میں فرمایا: '' کیا میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا؟'' صحابہ کرامؓ نے بیک زبان فرمایا: جی ہاں، رسول

اکرمؐ اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھاتے اور پھر صحابہ کی طرف جھکاتے اور فرماتے: اے اللہ گواہ رہنا' ایسا آپؐ نے کئی بار کیا- ایسی مثالیں بہت زیادہ ہیں-(۴۰)

مثال نمبر 3' سورہ الاعراف : 172

﴿واذ اخذ ربک من بنی آدم من ظھورھم ذریتھم واشھدھم علی انفسھم الست بربکم قالوا بلی شھدنا ان تقولوا یوم القیامۃ انا کنا عن ھذا غافلین﴾ (الاعراف:۱۷۲)

''وہ وقت یاد کیجئے جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی تو ان سے خود ان کے مقابلے میں اقرار کرالیا (یعنی ان سے پوچھا) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے کیوں نہیں؟ ہم گواہ ہیں (کہ تو ہمارا پروردگار ہے) یہ اقرار اس لئے کرایا گیا' کہ قیامت کے دن (کہیں یوں نہ) کہنے لگو کہ ہمیں تو اس کی خبر ہی نہ تھی''

کی تشریح میں حدیث لاتے ہیں:

" فقال عمرؓ بن الخطاب سمعت رسول اللہؐ یسال عنھا فقال رسول اللہؐ ان اللہ تبارک و تعالیٰ خلق آدم ثم مسح علی ظھرہ بیمینہ فاستخرج منہ ذریۃ فقال خلقت ھولاء للجنۃ و بعمل اھل الجنۃ یعملون' ثم مسح علی ظھرہ فاستخرج منہ فقال خلقت ھو لاء للنار و بعمل اھل النار یعملون' فقال رجل: یا رسول اللہ! ففیم العمل؟ فقال رسول اللہؐ ان اللہ تبار و تعالیٰ اذا خلق العبد للجنۃ استعملہ بعمل اھل الجنۃ یموت علی عمل من اعمال الجنۃ واذ خلق العبد للنار استعملہ بعمل اھل النار حتی یموت علی عمل اھل النار''

.....

پھر اس حدیث پر نقد ونظر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' اور اس حدیث کو اہل سنن اور اہل مسانید مثلاً ابو داؤد' ترمذی' نسائی نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ اس کی اسناد منقطع ہیں اور اس کے راوی مجہول النسب ہیں' اس کے باوجود اسے امام مالک نے موطا میں نقل کیا ہے جو کسی دوسرے کی نسبت زیادہ بلیغ ہیں- الفاظ یہ ہیں: پھر اس نے اپنا دایاں ہاتھ (آدم کی) پشت پر پھیرا اور اس کی اولاد کو پیدا کیا' پھر دوسری دفعہ اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور پھر اور اولاد پیدا کی..... اور بڑے تعجب کی بات ہے کہ آجری نے اسے امام مالکؒ' ثوریؒ اور لیثؒ وغیرھم سے اپنی کتاب '' شریعت'' میں نقل کیا ہے- اگر ابو المعالی اور وہ کتاب جس کا انہوں نے انکار کیا تھوڑا سا غور کر لیتے تو جس چیز کی انہوں نے مخالفت کی' اسے اس میں پا لیتے -لیکن ابو المعالی باوجود اپنی کثرت ذہانت اور علم کی چاہت اور اپنے فن میں اونچی قدر ومنزلت رکھنے کے رسول اللہ ؐ کی احادیث کو بہت کم جاننے والا تھا- شاید کہ اس نے 'موطاء'' کا اس انداز میں مطالعہ نہیں کیا کہ اسے اس کے بارے میں صحیح معلومات حاصل ہوتیں -کیونکہ وہ تو بخاری' مسلم' سنن ابی داؤد' نسائی' ترمذی اور اس جیسی دوسری سنن سے بھی اصلاً آگاہ نہیں تھا تو پھر موطا اور اس جیسی کتابوں کا اسے علم کیسے ہوتا باوجود اس کے کہ وہ فقہی مسائل کے اختلاف میں دلائل جانتا تھا- اس نے صرف سنن ابو الحسن دارقطنی کا ہی مطالعہ کیا ہے اور ابو الحسن نے حدیث میں اپنی تمام امامت کے باوجود یہ سنن اس لئے مرتب کی کہ اس میں عجیب وغریب قسم کی احادیث اور فقہ کی باتیں جمع کرے' کیونکہ اسے اسی کی تمنا تھی- جہاں تک صحیحین کی مشہور احادیث اور صحاح ستہ کا تعلق ہے' وہ ان سے بے نیاز ہے- پس اپنی کتاب میں صرف ایسی غریب اور

ضعیف احادیث پر اکتفا کرنا اصول اسلام سے بہت بڑی جہالت کی دلیل ہے اور اس نے یہ خیال کیا کہ'' کتاب المعالی'' جو اس کی ساری عمر کا ثمر ہے (نھایۃ المطلب فی درایۃ المذھب) اس میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں جو بخاری شریف کی طرف منسوب کی گئی ہو سوائے ایک حدیث کے جو بسم اللہ کے بارے میں ہے اور وہ بھی بخاری شریف میں نہیں ہے جیسا کہ اس نے ذکر کیا ہے..... ابو المعالی سے ابن طاہر نے روایت کی ہے کہ موت کے وقت اس نے کہا:

''میں بہت بڑے گہرے اتھاہ سمندر میں ڈوب گیا اور میں نے اہل اسلام اور ان کے علوم کو چھوڑ دیا اور میں اس چیز میں داخل ہوا جس سے مجھے منع کیا گیا تھا اور اب اگر میرے پروردگار کی رحمت نے نہ پالیا تو ابن جوینی کے لئے ہلاکت ہے - دیکھو میں اپنی ماں اور نیشا پور کی بوڑھی عورتوں کے عقیدے پر مر رہا ہوں'' (۴۱-۴۲)

اس تفسیری نوٹ پر غور کرنے سے درج ذیل امور سامنے آتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ ابن تیمیہؒ کو علم حدیث پر، اس کے صحیح و سقم کے فن پر کس قدر عبور حاصل تھا-

۱-'' وقد قیل اسنادہ منقطع'' (کہا گیا ہے کہ اس کی اسناد منقطع ہیں)

۲-'' ان راویہ مجھول'' (کہ اس کے راوی مجہول ہیں)

۳-موطا امام مالکؒ میں متن میں تھوڑا سا اختلاف ہے'' مسح علی ظھرہ بیمینہ'' کی بجائے'' مسح ظھرہ بیمینہ'' کے الفاظ ہیں- اس قدر لطیف فرق کو بھی ابن تیمیہ کس طرح نوٹ کرتے ہیں اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب مختلف کتب حدیث میں پائے جانے والے متن زبانی ازبر ہوں- (۴۳-۴۴)

٤ – ابو المعالی: هو عبد الملك بن عبد الله بن یوسف الجوینی (امام الحرمین) من کبار الاشاعرة تلمذ له الغزالی و من اهم کتبه" الشامل فی اصول الدین" (٣٥)

"جوامام الحرمین کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں' انہوں نے اپنی معروف کتاب" التامل فی اصول الدین" میں اس حدیث کو نقل کر دیا" .....

اس پر ابن تیمیہؒ خاموش نہیں رہ سکے بلکہ اس قدر زبردست تنقید کی ہے کہ ان کی شخصیت اور ان کی علمیت کا تار پود بکھیر کر رکھ دیا ہے:

" و لکن ابو المعالی مع فرط ذکائه و حرصه علی العلم و علو قدره فی فنه کان قلیل المعرفة بالاثار النبویة"

" ابو المعالی باوجود اپنی تمام تر ذہانت اور علم وتڑپ کے' اپنے فن (اصول دین) میں بلند مقام رکھنے کے احادیث رسولؐ کو بہت کم جاننے والے تھے-"

پھر ابن تیمیہ لکھتے ہیں:" ابو المعالی نے موطا امام مالک کا جو مطالعہ کیا تھا' وہ ایسا نہیں ہے کہ جیسا ہونا چاہئے تھا -حتی کہ بخاری ومسلم' سنن ابی داؤد نسائی اور ترمذی کا جس نے مطالعہ نہیں کیا' وہ موطا اور اس قسم کی کتابوں کا کیا مطالعہ کرے گا.....؟

" فانه لم یکن له بالصحیحن البخاری ومسلم و سنن ابی داؤد و النسائی والترمذی وامثال هذه السنن علم اصلاً فکیف بالموطا و نحوه"

٥-پھر ابن تیمیہؒ بتاتے ہیں کہ ابو المعالی نے فقہی نظریات کے لئے" سنن ابی الحسن الدار قطنی" پر انحصار کیا ہے مگر خود دار قطنی اس پہلو سے معتبر نہیں ہے-

" و ابو الحسن الدار قطنی مع تمام امامته فی الحدیث فانه صنف هذه السنن کی یذکر فیها الاحادیث المستغربة فی الفقه و یجمع طرقها"

" ابوالحسن حدیث میں اپنی تمام تر امامت کے باوجود سنن میں عجیب وغریب احادیث اوران کے طرق جمع کرنے کا باعث بنا"

گویا ابن تیمیہ نے دارقطنی کی صحت بھی واضح کردی۔

۶-پھر یہ بتاتے ہیں کہ ابوالمعالی نے جو کتاب اپنی زندگی کے ماحصل کے طور پر لکھی اس میں سوائے ایک حدیث کے جو" بسم اللہ" کے بارے میں ہے' کوئی بھی صحیح بخاری سے منسوب نہیں ہے- بلکہ یہ حدیث بھی جس طرح امام بخاریؒ نے روایت کی ہے اس طرح نہیں ہے:

لیس فیه حدیث واحد معزو الی صحیح البخاری الا حدیث واحد فی البسملة و لیس ذالك فی البخاری کما ذکره"

۷-بات آخر یہاں ختم کی ہے کہ ابن طاہر کی روایت ہے کہ ابن جوینی نے اپنی وفات کے وقت یہ اقرار واعتراف کیا:

" میں ایک گہرے سمندر میں پھنس گیا-میں نے اہل اسلام اوران کے علوم کو چھوڑ دیا اور میں ایسے علوم کی تلاش میں سرگرداں رہا جن سے مجھے منع کیا گیا تھا- اب اگر اللہ کی رحمت نے مجھے اپنے دامن میں نہ چھپایا تو ساری لعنت کا سزاوار ابن الجوینی (ابو المعالی) ہوگا-لوگو! دیکھو! (گواہ رہنا) میں اپنی ماں اور نیشاپور کی بوڑھی عورتوں کے عقیدے پر مر رہا ہوں" (۴۶)

اسی حدیث سے متعلق" جامع الرسائل" میں عبارت اس طرح آئی ہے:

و طائفة من العلماء جعلوا هذا الاقرار كما استخرجوا من صلب آدم و انه انطقهم و اشهدهم، لكن هذا لم يثبت له خبر صحيح عن النبیؐ

" علماء کی ایک جماعت نے اس بات کا اقرار کیا ہے "لوگ آدم کی پشت سے نکالے گئے اور اللہ نے انہیں بلایا اور ان سے گواہی لی" لیکن رسول اکرمؐ سے ایسی کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں۔(۴۷)

مثال نمبر 4

ایک شخص نے ابن تیمیہؒ سے سیدہ عائشہ کے بارے میں پوچھا کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا تھا:

" تقاتلين عليا و انت ظالمة"

" تو سیدنا علیؓ سے جنگ کرے گی اور تو ظالمہ ہوگی۔"

گویا اس حدیث سے متعلق ابن تیمیہؒ کا نکتہ نظر معلوم کرنے کی کوشش کی۔ابن تیمیہؒ فن حدیث پر جو عبور حاصل تھا، دیکھئے اس کا اظہار کس طرح ہوتا ہے۔ فرمایا:

" فبهذا لا يعرف في شيئ من كتب العلم المعتمدة ولا له اسناده معروف و هو بالموضوعات، والمكذوبات اشبه منه بالاحاديث الصحيحة بل هو كذب قطعاً فان عائشةؓ لم تقاتل و لم تخرج لقتال و انما خرجت مقصد الاصلاح بين المسلمين و ظنت ان خروجها مصلحة للمسلمين ثم تبين لها فيما بعد ان ترك الخروج كان اولى فكانت اذا ذكرت خروجها تبكي حتى تبل خمارها"

(٤٨)

" حدیث کی قابل اعتماد کتابوں میں سے کسی میں بھی ایسی حدیث کا کہیں نام ونشان نہیں ملتا' نہ اس حدیث کے اسناد جانے پہنچانے ہیں' بلکہ یہ تو موضوعات (من گھڑت) اور جھوٹی احادیث میں سے ہے' صحیح احادیث سے اس کی کوئی مماثلت نہیں' بلکہ یہ تو خالص اور قطعی احادیث میں سے ہے' کیونکہ سیدہ عائشہ نے نہ لڑائی کی' نہ لڑائی کے لئے نکلیں' ان کا نکلنا تو صرف اصلاح بین المسلمین کے لئے تھا' انہیں خیال تھا کہ ان کے نکلنے سے مسلمانوں میں مصالحت کی صورت پیدا ہوگی' بعد میں انہیں اس بات کا شعور اور احساس ہوا کہ اگر وہ اس طرح (مصلحت عامہ کی خاطر) بھی نہ نکلیں تو زیادہ بہتر تھا' پس جب کبھی انہیں اپنے خروج کی بات یاد آتی تھی تو اس قدر روتی تھیں کہ ان کا دوپٹہ بھیگ جاتا تھا' رضی اللہ تعالی عنہا

مثال نمبر 5

ایک آدمی نے حدیث اور تفسیر کی کتابیں پڑھیں - جب کتاب الحلیۃ پڑھنے کی باری آئی تو اس نے انکار کر دیا - جب اس سلسلے میں اس سے استفسار کیا گیا کہ آپ اسلاف کے حالات کیوں نہیں پڑھتے تو اس نے کہا: " لا اسمع من کتاب ابی نعیم شیئا " میں ابو نعیم کی کتاب سے کچھ نہ پڑھوں گا - اس سے کہا گیا کہ:

هو امام ثقة شيخ المحدثين في وقته فلم لا تسمع ولا تثق بنقله؟ (٤٩)

" ابی نعیم ثقہ امام تھے' اپنے وقت کے شیخ المحدثین تھے' آپ انہیں اور ان کی نقل کو ثقہ کیوں نہیں مانتے؟"

پھر اس آدمی سے کہا گیا: ہم ابی نعیم کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو حکم

مانتے ہیں تو اس آدمی نے کہا: میں بھی ابن تیمیہ کی رائے کو تسلیم کرلوں گا اس پر یہ مسئلہ ابن تیمیہ کولکھ کر ارسال کیا گیا۔ابن تیمیہؒ نے دمشق سے یہ جواب لکھا:

"الحمد لله رب العالمين' ابو نعيم احمد بن عبد الله الاصبهانی حلية الاوليا' تاريخ اصبهان المستخرج على البخاری و مسلم' كتاب الطب' عمل اليوم و الليلة' فضائل الصحابة' دلائل النبوة' صفة الجنة

اور محجۃ الواثقین وغیرہ کے مصنف' حدیث کے بڑے حافظوں اور بہت تصانیف والے ہیں' جن لوگوں کی تصانیف سے لوگوں نے استفادہ کیا' ان میں سے ایک ہیں انکا مقام اس سے کہیں بڑا ہے کہ انہیں "ثقہ" کہا جائے اور ان کی "حلیۃ الاولیاء" زاہدوں کے بارے میں لکھی جانے والی کتابوں میں بہت نفیس ہے اور رسالہ قشیریہ' ان کے شیخ عبدالرحمن سلمی' ابن خمیس کی "مناقب الابرار" وغیرہ کی نسبت حدیث کی نقل میں بہت زیادہ صحیح ہے۔کیونکہ ابونعیم حدیث کو بہت زیادہ جاننے والے اور ان مصنفین کے مقابلے پر زیادہ ثقہ اور صحیح نقل کرنے والے ہیں' لیکن امام احمدؒ کی "کتاب الزھد" اور عبداللہ بن مبارکؒ کی "کتاب الزھد" "حلیۃ الاولیاء" کی نسبت زیادہ صحیح احادیث پر مشتمل ہیں" (۵۰)

پھر ابن تیمیہ ان کتب کا موازنہ کرتے ہیں:

"ان کتابوں میں اور ان جیسی دوسری کتابوں میں لازماً ضعیف احادیث اور ضعیف حکایات بلکہ باطل حکایات بھی موجود ہیں۔حلیۃ الالیاء میں بھی قطعی طور پر ہیں' لیکن "حلیۃ الاولیاء" "رسالہ قشیریہ" اور "مناقب الابرار" اور ان جیسی دوسری کتابوں میں باطل احادیث اور باطل حکایات کثرت سے موجود ہیں' لیکن

ایسی مثالیں ابی نعیم کی کتابوں میں نہیں ہیں ابن الجوزی (ابی الفرج) کی کتاب ''صفوۃ الصفوۃ اور حلیۃ الاولیاء میں صحت غالب ہے اگر ان میں بھی بعض حکایات اور احادیث باطلہ موجود ہیں جہاں تک امام احمدؒ کی ''کتاب الزھد'' اور ان جیسی دوسری کتابوں کا تعلق ہے' ان میں ان جیسی باطل احادیث و حکایت نہیں ہے کیونکہ امام احمد بن حنبلؒ اپنی تصنیفات میں موضوع احادیث کو بیان نہیں کرتے البتہ ناقل کے ''سوء حفظ'' کی وجہ سے ضعیف احادیث ہیں' اسی طرح مرفوع احادیث میں بھی ایسی کوئی حدیث نہیں ہے جس کے بارے میں کہا جائے کہ وہ موضوع ہے اور اس میں قصد ہی جھوٹ ہے - اسی طرح امام احمدؒ اپنی مسند میں بھی موضوع روایات نہیں لاتے' اس قسم کی ضعیف روایات تو اسلام کی اکثر کتابوں میں موجود ہیں اور سوائے قرآن کریم کے کوئی کتاب غلطی سے پاک نہیں''

اس کے بعد بخاری اور مسلم کے بارے میں اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہیں:

(۵۱)

''اور ہاں بخاری شریف میں جو صحت ہے' وہ مسلم ہے مگر متن میں راوی کی طرف سے غلطی ہوتی ہے' حدیث کے بعض الفاظ میں اغلاط ہوتی ہیں - امام بخاریؒ نے خود اپنی کتاب میں راوی کے مغالطے کو واضح کیا ہے جیسا کہ سیدنا جابرؓ کے اونٹ کی قیمت کے سلسلے میں راویوں کے اختلاف کو بیان کیا' اس میں بعض صحابہؓ سے بھی اغلاط منسوب ہیں جس طرح سیدنا عبداللہ بن عباس کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اکرمؐ نے سیدہ میمونہؓ سے احرام کی حالت میں نکاح کیا' حالانکہ اکثر لوگوں کے نزدیک مشہور ہے کہ آپ احرام اتار چکے تھے - اسی طرح سیدنا اسامہ کی طرف منسوب ہے کہ رسول اکرمؐ نے گھر میں نماز نہیں پڑھی - اور یہ بھی

سیدنا بلالؓ کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے گھر میں نماز پڑھی اور علماء کے نزدیک یہی صحیح ہے۔

اور جہاں تک مسلم شریف کا تعلق ہے اس میں ایسے الفاظ ہیں جو غلط تسلیم کئے جاتے ہیں۔ جیسے" اللہ نے زمین کو یوم السبت کو پیدا کیا" اور بخاری نے واضح کیا ہے کہ یہ غلط ہے۔ دراصل یہ سیدنا کعبؓ کا قول ہے اور یہ بھی ہے کہ رسول اکرمؐ نے نماز کسوف ایک رکعت میں تین رکعت ادا کی (یعنی تین رکوع کے ساتھ ایک رکعت) اور صحیح یہ ہے کہ رسول اکرم نے صرف زندگی میں ایک دفعہ نماز کسوف ادا کی ہے ایک مثال یہ بھی ہے" کہ رسول اکرمؐ نے ابوسفیان سے ام حبیبہؓ کے ساتھ نکاح کی خواہش کا اظہار کیا" حالانکہ یہ غلط ہے۔(۵۲)

آخر میں حلیۃ الاولیاء کے بارے میں حتمی اور قطعی رائے یوں پیش کرتے ہیں:

" و هذا من اجل فنون العلم بالحديث يسمى: علم" علل الحديث" و اما كتاب حلية الاولياء فمن اجود مصنفات المتاخرين فى اخبار الزهاد وفيه من الحكايات مالم يكن به حاجة والاحاديث المروية فى اوائلها احاديث كثيرة ضعيفة بل موضوعة" (۵۳)

"حدیث کے علوم وفنون میں اس لئے اس علم کا نام" علل حدیث کا علم" (احادیث کے نقائص" رکھا گیا ہے جہاں تک حلیۃ الاولیاء کی صحت کا تعلق ہے متاخرین کی کتابوں میں سے اخبار الزھاد کے سلسلے میں یہ بہترین تصنیف ہے اس میں کچھ حکایات ایسی ہیں جن کے درج کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی نیز کتاب کے آغاز میں جو احادیث پیش کی گئی ہیں وہ اکثر ضعیف بلکہ موضوع ہیں"

خلاصہ کلام

ہم اپنی اس بحث کو ڈاکٹر محمد ارشاد سالم کے ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں' کہ ابن تیمیہ کی تمام تالیفات میں یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ انہیں جہاں صحیح حدیث نظر آئی - وہ اسے نقل کرتے ہیں' اس کے مطابق عمل کرتے ہیں' جب کوئی منصف نظر عدل سے دیکھے گا تو اسے یقین ہو جائے گا کہ ابن تیمیہ کا موقف قرآن وسنت کے ساتھ ہے اور انہیں اس موقف سے کسی انسان کا قول دور نہیں کرسکتا خواہ وہ مقام اور مرتبے میں کتنا اونچا ہی کیوں نہ ہو' اس معاملے میں وہ نہ کسی امیر' نہ سلطان' نہ کوڑے اور نہ کسی تلوار کا خوف رکھتے ہیں وہ قرآن وسنت سے ہرگز انحراف نہیں کرتے - بلکہ انہوں نے مضبوط کڑے کو تھام رکھا ہے انہیں قران وسنت پر مکمل عبور حاصل ہے اور وہ اللہ کے اس فرمان پر عمل کرتے ہیں:

'' اگر تمہیں کسی چیز میں اختلاف ہو تو اسے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف لوٹا دو' اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہو یہی بات تمہارے لئے بہتر ہے اور تاویل کے لحاظ سے بھی احسن ہے اور تمہیں جس چیز میں بھی اختلاف ہو تو اسے اللہ کے فیصلے پر چھوڑ دو'' (۵۴)

حوالہ جات:

1- العقود الدریہ: ۲...... 2- البدایہ والنھایہ: ۱۴: ۲۲۹...... 3- البدایہ والنھایہ‘۱۴:۱۳۶...... 4 -الردالوافر‘۴۸...... 5- البدایہ والنھایہ‘۱۴: ۱۳۸...... 6- ذیل طبقات الحنابلہ‘ ۳: ۴۰۲...... 7- ابوعبداللہ محمد بن نصر الحمیدی م ۸۴۴ھ (شذرات الذھب‘ ۳: ۳۹۲)...... 8- العقود الدریہ‘ ۳...... 9- مختصر طبقات الحنابلہ‘ ۵۲...... 10- معجم المولفین‘ ۱۰: ۱۸۵...... 11- العقود الدریہ‘ ۲۵...... 12- ایضاً...... 13- مقارنہ بین الغزالی‘۳۱...... 14- مجموع فتاویٰ ۱۸: ۲۷...... 15- مجموع الفتاویٰ‘ ۱۸: ۴۱...... 16- منہج ابن تیمیہ‘ ۸۲...... 17- مجموع الفتاویٰ‘ ۱۸: ۲۰...... 18- ایضاً‘ ۲۰: ۳۲۰...... 19- ایضاً‘ ۱: ۵۲۱...... 20- مجموع الفتاویٰ‘ ۱۸: ۷۴...... 21- ایضاً‘ ۱: ۵۲۱...... 22- منہج ابن تیمیہؒ: ۱۵...... 23 فتاویٰ ۱۸: ۸۱...... 24- منہج ابن تیمیہؒ ۲۵...... 25- مجموع الفتاویٰ‘ ۱۸: ۲۰‘۱۹)...... 26- مجموع الفتاویٰ‘ ۱۸: ۱۹‘۱۸...... 27- مجموع الفتاویٰ‘ ۱۵: ۱۹‘۱۸...... 28- ایضاً‘: ۱۹...... 29- منہج ابن تیمیہؒ ۵۲...... 30 مجموع الفتاویٰ“ ۱۵: ۵۳‘۵۲...... 31- ایضاً‘ ۵۴...... 32- فتاویٰ‘ ۸۷...... 33- مجموع الفتاویٰ‘ ۱۴: ۲۳۹...... 34- ایضاً...... 35- ایضاً‘ ۴۸‘۲۴۷...... 36- ایضاً‘ ۲۲۶...... 37- ایضاً‘ ۴۱۰...... 38- ایضاً‘ ۴۱۰...... 39- العقود‘ ۸۰‘۷۷...... 40- ایضاً‘ ۸۰‘۷۷ (فتاویٰ‘ ۵: ۱۵‘۱۳)...... 41- فتاویٰ‘ ۵: ۱۵‘۱۳...... 42- فتاویٰ‘ ۵: ۱۸‘۱۳...... 43- ایضاً: ۱۸‘۱۳...... 44- وقائق التفسیر‘ ۳: ۲۹‘۱۶۸...... 45- الاعلام‘ ۴: ۲۰۶...... 46- وقائق التفسیر‘ ۳: ۲۹‘۱۲۸...... 47- جامع الرسائل‘ ۱۱...... 48- منہاج السنہ‘ ۲۰: ۳۷‘۲۳۶...... 49- الفتاویٰ‘ جلد: ۱۸: ص: ۷۱......

50- ایضاً ص: ۷۲..... 51- ایضاً..... 52- ایضاً ص: ۷۳..... 53- ایضاً..... 54- مقارنہ بین الغزالی وابن تیمیہ ص: ۵)

www.IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

اسلامی حدود وتعزیرات' فلسفہ اور حکمت

حد کی جمع حدود ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں چودہ مقامات پر آیا ہے......:

﴿ تلك حدود الله فلا تقربو ها ﴾ (البقرہ: ۱/۸۷)

"یہ اللہ کی حدیں ہیں' ان کے پاس نہ جانا"

﴿ الا ان يخافا الا يقيما حدود الله ﴾ (۲۲۹)

"ہاں اگر میاں بیوی کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے"

﴿ فان خفتم الا يقيما حدود الله فلا جناح عليهما ﴾ (۲۲۹)

" اگر تم ڈرتے ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے"

﴿ تلك حدود الله فلا تعتدوها ﴾ (۲۲۹)

"یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں (احکامات) ان سے باہر نہ جانا"

﴿ و من يتعد حدود الله فاؤلئك هم الظالمون ﴾ (۲۲۹)

" اور جو لوگ الٰہی حدود سے باہر نکل جائیں گے' وہ گناہگار ہوں گے"

﴿ فلا جناح عليهما ان يتراجعا ان ظنا ان يقيما حدود الله ﴾ (۲۳۰)

" ہاں اگر دوسرا خاوند بھی طلاق دے دے اور عورت اور پہلا خاوند ایک دوسرے کی طرف رجوع کریں تو ان پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ دونوں یقین کر لیں کہ اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے"

﴿ و تلك حدود الله يبينها لقوم يعلمون ﴾ (۲۳۰)

"اور یہ اللہ کی حدیں ہیں' اللہ ان لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے جو دانش رکھتے

ہیں"

﴿ تلك حدود الله ﴾ (النساء: ١٣)

" یہ تمام اللہ کے احکامات ہیں"

﴿ وَ مَنْ يَعْصِ الله و رسوله و يتعد حدوده يدخله ناراً خالداً فيهَا ﴾

" اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے گا اور ان کی حدوں سے نکل جائے گا تو اللہ اسے دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا" (النساء: ١٤)

﴿ الاعراب اشدا كفراً وَ نِفَاقاً وَاجْدَرُ الاَّ يَعلَمُوا حدودَ مَا اَنْزَلَ الله عَلىٰ رَسولِهِ ﴾

" بدو لوگ سخت کار اور سخت منافق ہیں اور اسی قابل ہیں کہ جو احکام اللہ نے اپنے رسولؐ پر نازل کئے ان سے واقف ہی نہ ہوں" (التوبہ: ٩٧)

﴿ وَا لنّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالحَافِظُونَ لِحُدُودِ الله و بشر المومنين﴾ (التوبه: ١١٢)

" بری باتوں سے منع کرنے والے اللہ کے احکامات کی حفاظت کرنے والے اور اے پیغمبر ﷺ مومنوں کو خوشخبری سنا دیجئے"--(التوبہ:١١٢)

﴿ ذلك لتومنوا بالله و رسوله و تلك حدود الله ﴾ (المجادله: ٤)

" یہ حکم اس لئے ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے فرمانبردار رہو جاؤ اور یہ اللہ کی حدود (احکامات) ہیں"

﴿ و تلك حدود الله ﴾ (الطلاق: ١)

" اوراللہ تعالیٰ کی حدیں (احکامات) ہیں"

﴿ وَ مَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ﴾ (الطلاق: ١)

" اور جواللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گاوہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا"

حد کالغوی معنی" خط کھینچنا ہے" امام راغب اصفہانی نے لکھا ہے.....:

" الحد الحاجز بين الشيئين الذى يمنع احتلاط احدهما بالاخر يقال حددت كذا جعلت له حدا يميز وحد الدار ما تتميز به عن غيرها" (المفردات: (ص: ١٠٩)

" حد' وہ خط متارکہ ہے جو دو چیزوں کے درمیان حد فاصل قائم کرتا ہے اور انہیں ایک دوسرے سے ملنے سے روکتا ہے کہا جاتا ہے: میں نے یہ حد لگادی یعنی خط کھینچ دیا تا کہ تمیز ہو سکے- اور گھر کی حد جو اسے دوسرے گھر سے علیحدہ کرتی ہے وہ اس کا خط ہوتا ہے"

عام طور پر دیکھا گیا ہے جب عوام الناس میں کوئی تحریک برپا ہوتی ہے تو پولیس ایک خط کھینچ دیتی ہے اور اعلان کرتی ہے کہ اگر کسی نے اس حد سے بڑھنے کی کوشش کی تو اس پر گولی چلادی جائے گی-

احکامات الٰہی:

جب ہم قرآن مجید کی آیات پر غور کرتے ہیں تو حد کی تعریف احکامات الٰہی بنتی ہے- جہاں بھی قرآن مجید میں خاص حکم دیا گیا' اس کے بعد فرمایا گیا.....:

﴿ تلك حدود الله فلا تقربوها ﴾

اسی طرح سورہ بقرہ میں رمضان کے مفصل احکامات دینے کے بعد فرمایا.....:

﴿ تلك حدو د الله فلا تقربوها ﴾

سورہ بقرہ کی آیات ۲۲۹-۲۳۰ میں نکاح وطلاق کے قطعی احکامات کے بعد فرمایا.....:

﴿ تلك حدو د الله فلا تعتدو ها ﴾

سورہ النساء کی آیات ۱۳-۱۴ سے پہلے وراثت کی مفصل تقسیم کے بعد فرمایا.....:

﴿ تلک حدو داللہ ﴾سورہ توبہ کی آیت ۹۷ میں بدووں کے بارے میں فرمایا کہ وہ اللہ کے احکام کونہیں جانتے -آیت ۱۱۲ میں ان مومنین کی تعریف کی جو اللہ کے احکام کی حفاظت کرنے والے ہیں-سورہ المجادلہ کی آیت ۴ میں بیویوں کو مائیں کہنے والوں کے جرم اوراس کے کفارے کے احکامات دینے کے بعدفرمایا.....: ﴿ وتلک حدو داللہ ﴾

سورہ طلاق میں بھی طلاق اوراس کی عدت کے احکامات کے بعدفرمایا'': یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں اور جو اللہ کی حدود کو پھلانگنے کی کوشش کرے گا وہ خود ظالم ہوگا -

حد کی اصطلاحی تعریف

متعدد احادیث میں بھی لفظ حد استعمال ہوا ہے جو اگرچہ اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوا ہے-

" حد يعمل به فى الارض خيره لاهل الارض من ان يمطر و اثلاثين صباحا" (٣) اربعين صباحا (٤) (ابن ماجه ' سنن نسائى)

''زمین والوں پر ایک حد کا جاری کرنا تیس دن کی متواتر بارش (رحمت) سے بہتر ہے(دوسری روایت میں) چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے''

"اقامة حد کفارة للذنب" (۵) (حد قائم کرنا گناہوں کا کفارہ ہے)(مسند احمد بن حنبل: ۵-۲۱۴)

قرآن وسنت کے عمیق مطالعے سے حد کی اصطلاحی تعریف یوں بنتی ہے......:

"کسی جرم کی وہ سزا جو قرآن وسنت میں متعین کردی گئی ہو' اس میں کمی و بیشی کا اختیار پیغمبرؐ کو تھا' نہ حاکم وقت یا قاضی وقت کو ہے"۔

یہ تعریف رسول اکرمؐ کی ایک حدیث سے ہی ماخوذ ہے......:

"سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے' ایک مخزومیہ عورت نے چوری کی اور لوگوں سے کچھ چیزیں ادھار لے لیا کرتی تھی' پھر واپس دینے سے انکار کردیتی تھی' تو رسول اکرمؐ نے اس کا ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیا' اس عورت کے گھر والے سیدنا اسامہ بن زیدؓ کے پاس سفارش کے لئے آئے' آپؓ نے رسول اکرمؐ کے پاس اس عورت کی سفارش کی تو رسول اکرم ﷺ کا چہرہ انور غصے سے تمتما اٹھا آپؐ اسامہؓ سے مخاطب ہوئے فرمایا......:

أ تشفع فی حد من حدود الله"

"اے اسامہؓ! میں کیا دیکھتا ہوں کہ تم اللہ کی مقرر کی ہوئی سزاؤں میں سے ایک سزا میں سفارش لے کر آئے ہو؟"

پھر رسول اکرمؐ نے مسجد نبوی میں فرمایا......:

انما ضلَّ من قبلکم انهم کانوا اذا سرق الشریف ترکوه و اذا سرق الضعیف فیهم اقاموا علیه الحد...... لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطع محمد یدها (بخاری: ٦-٣١١)

"بے شک تم سے پہلے لوگ (یہود ونصاریٰ) صرف اس لئے ہلاک ہوئے

کہ جب ان میں کوئی سردار چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی غریب کمزور آدمی چوری کرتا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتے' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر (مخزومیہ کی جگہ) میری بیٹی فاطمہ بھی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا''

حدیث میں جہاں بھی لفظ حد استعمال ہوا' اکثر و بیشتر کسی جرم کی سزا کے لئے ہی استعمال ہوا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا.....:

" ادفعوا الحدود ما وجدتم لها مدفعا" (۷)(ابن ماجه)

'' تم جرم کی سزا کو ختم کر دیا کرو' اگر اس کے ختم کرنے کی کوئی صورت نظر آئے''

سیدہ عائشہ سے روایت ہے رسول اکرمؐ نے فرمایا.....:

ادرء والحدود عن المسلمين ما استطعتم فان كان له مخرج فخلوا سبيله فَان الامام يخطئ فى العفو خير له من ان يخطى فى العقوبة

'' مسلمانوں سے جرم کی سزا حتی المقدور ختم کر دیا کرو' اگر کوئی چھٹکارے کا پہلو نکلتا ہو تو مجرم کو آزاد کر دو (شک کا فائدہ دے کر) اگر کوئی امام سزا کو معاف کرنے میں غلطی کرے تو یہ کہیں بہتر ہے کہ وہ سزا دینے میں غلطی کرے'' (ترمذی' بیہقی)

ثابت یہ ہوا کہ حد کا اصطلاحی مفہوم کسی جرم کی وہ سزا ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے متعین کی ہے:

والحد فى الشرع عقوبة مقررة لاجل حق الله فيخرج التعزير

لعدم تقديره مفوض لرأى الحاكم و يخرج القصاص لانه حق الادمى (٨) (فقه السنة: ٢-٣٠٢)

"حد شریعت میں اللہ کے حق کی بنیاد پر مقرر سزا کو کہتے ہیں' تعزیر اس سے الگ ہے کہ وہ حاکم وقت کی صوابدید پر موقوف ہے اور قصاص اسی میں اس لئے نہیں آتا کہ وہ اللہ کا نہیں بندے کا حق ہے"

وفی اصطلاح الشرع عقوبة مقررة و جبت علی الجانی (٩) (المعجم الوسيط: ٢-١١-١٠)

"شرعی اصطلاح میں مجرم کے لئے وہ مقرر کردہ سزا جو اس کے لئے واجب ہے"

معنی ان العقوبة مقررة لحق الله ای انها مقررة لصلاح الجماعة و حماية النظام العام لان هذاهوا الغاية من دين الله و اذا كانت حقاالله فهی لا تقبل الا سقاط الا من الافراد و لامن الجماعة (١٠) (فقه السنة: ٢-٣٠٢)

" حد کا معنی اللہ کے حق کے لئے مقرر کردہ سزا ہے' جو جماعت کی صلاح اور نظام عام کو محفوظ کرنے کے لئے دی جاتی ہے- کیونکہ اللہ کے دین کی غرض و غایت یہی ہے' جب یہ اللہ کا حق ہے تو اس میں معافی نہیں ہوتی ' نہ افراد کی طرف سے اور نہ جماعت کی جانب سے"

سميت عقوبات المعاصی حدود الانها فی الغالب تمنع العاصی العود الی تلك المعصية التی حد لأجلها (١١)(ایضاً)

" گناہوں کی سزاؤں کو حدود کا نام دیا گیا ہے کیونکہ اغلباً یہ سزا گناہگار کو اس

گناہ کی طرف رجوع کرنے سے روکتی ہے جس کی وجہ سے یہ سزا متعین کی گئی ہے"

حد کا معنی گناہ بھی کیا گیا ہے۔

و یطلق الحد علی نفس المعصیة ﴿ تلك حدو د الله فلاتقربوها ﴾ (۲۱) (البقره: ۱۷۸)(فقه السنه: ۲-۳۰۲)

"اور گناہ کو بھی فی نفسہ حدود کہا گیا جیسے اللہ نے فرمایا": تلک حدود اللہ"

حدود کی تعداد

قرآن وسنت میں جن جرائم کی سزائیں متعین کی گئی ہیں وہ یہ ہیں.....:

(۱) زنا (۲) قذف (جھوٹی تہمت) (۳) چوری (۴) خمر (شراب) (۵) ڈاکہ (حرابہ) (۶) ارتداد (اسلام سے مرتد ہونا)

قتل نفس کو اس لئے حدود اللہ میں شامل نہیں کیا گیا کیونکہ وہ بندے کا بندے پر حق ہے اور اس کے لئے قرآن وسنت میں قصاص ودیت کا پورا قانون موجود ہے۔

(۱) زنا

﴿ الزّانية والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائةَ جلدة و لا تاخذکم بهما رافة فی دین الله ان کنتم تومنون بالله و الیوم الاخر ولیشهد عذابهما طائفة من المومنین ﴾

"زانیہ عورت اور مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے لگاؤ اور اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کے دین میں (دونوں کو سزا دینے میں) تمہیں کسی قسم کی نرمی دامن گیر نہ ہو اور ان دونوں کی سزا کا مشاہدہ مومنین کی ایک جماعت ضرور کرے" (النور: ۲)

یہ غیر شادی شدہ مرد و زن کے لئے ہے اور شادی شدہ مرد و زن کے لئے رجم (سنگسار کرنا) کی سزا حدیث رسول ؐ میں متعین کردی گئی ہے: رسول اکرم ؐ کا فرمان ہے:

خذوا عنی ...... خذوا عنی ...... قد جعل الله لهن سبيلا: البكر بالبكر جلد مائة و تغريب عام والثيب بالثيب جلدمائة و الرجم (۳۱)(مسلم ' ابو داؤد ' ترمذی)

"مجھ سے احکامات حاصل کرو...... مجھ سے احکامات حاصل کرو...... اللہ تعالیٰ نے زانیہ عورتوں کے لئے راستہ مہیا کردیا ہے- غیر شادی شدہ زانیوں (مرد و زن) کے لئے سزا سو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی اور شادی شدہ مرد و زن کے لئے سو سو کوڑے اور رجم ہے"

سیدنا عبداللہ بن عباس سے سیدنا عمر بن خطاب ؓ کا وہ بلیغ خطبہ نقل ہے جس میں آپ ؓ نے فرمایا تھا......:

"بے شک اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا' ان پر قرآن نازل کیا اور اس قرآن میں آیت رجم بھی تھی' ہم نے آیت کو پڑھا اور اسے اچھی طرح ذہن نشین کیا' رسول اکرم ؐ نے رجم کیا اور ہم نے بھی رجم کئے' مجھے خطرہ ہے کہ ایک دور ایسا آئے گا کہ لوگ کہیں گے ہم رجم کتاب اللہ میں نہیں پاتے پس وہ اللہ کے اس فرض کو ترک کرکے گمراہ ہوں گے' پس شادی شدہ مرد و زن پر اگر وہ زنا کے مرتکب ہوں رجم برحق ہے' جب اس پر شہادت ثابت ہو جائے' حمل ثابت ہو یا مجرم خود اعتراف کریں- میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے عمر ؓ نے قرآن میں اضافہ کروادیا تو میں اسے ضرور (سورہ

احزاب میں)لکھوا دیتا -آیت رجم یہ ہے:

الشیخ و الشیخة اذا زنیا فارجموھما البتة نکالا من الله والله عزیز حکیم (١٤)(بخاری و مسلم' ابو داؤد' ترمذی' نسائی)

حدیث ابی امامہ بن سہیلؓ میں الفاظ یہ ہیں:

الشیخ و الشیخة اذا زنیا فارجموھا البتة بما قضیا من اللذة (١٥)(مسند احمد' طبرانی)ابی بن کعب کے الفاظ یہ ھیں .....:

کانت سورة الاحزاب توازی سورة البقرة و کان فیھا آیة الشیخ والشیخة..... (١٦)(صحیح ابن حبان)

ان احادیث سے ثابت ہے کہ رجم کا حکم حدیث رسولؐ میں برقرار ہے اور اس پر اجماع امت ہے.....:

فانه قد ثبت بالسنة المتواترة الجمع علیھا وایضاً ثابت بنص القرآن لحدیث عمر عند الجماعة (١٧) (فقه السنه: ٧: ٩٦)

امام شوکانیؒ اور دوسرے محدثین وفقہا کا فیصلہ ہے کہ:

اماالرجم فھو مجمع علیه (١٨) (نیل او طار: ٧-٩٦)

" جہاں تک رجم کی سزا کا تعلق ہے اس پر امت کا اجماع ہے"

ایک اعتراض کا جواب

عام طور پر ایک اعتراض آیتِ رجم پر یہ کیا جاتا ہے کہ اگر حد رجم کا حکم برقرار تھا تو اسے قرآن سے کیوں نکلوایا گیا؟

اس کا سیدھا سادہ جواب تو یہ ہے کہ یہ اللہ کا اختیار ہے اور اس کا فرمان ہے:

﴿یمحوا الله مایشاء و یثبت و عنده ام الکتب﴾ .....(

الرعد: ۳۹)

"اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے اور لوح محفوظ اسی کے پاس ہے"

اگر اس حکمت کو تلاش کرنا ہی مقصود ہو کہ اس آیت کو قرآن سے کیوں نکلوایا گیا تو یہ بات بالکل صاف اور عیاں ہے کہ اللہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کیا میرے حکم کے علاوہ میرے پیغمبرؐ کے فرمان کو بھی تسلیم کیا جاتا ہے یا نہیں؟ جہاں اللہ کا یہ فرمان ہے۔(اطیعوا اللہ) وہاں یہ بھی حکم ہے ﴿واطیعوا الرسول﴾ اور کتنی آیات قرآن مجید میں ایسی ہیں جن میں اطاعت رسولؐ پر زور دیا گیا ہے اور رسول اکرم ﷺ کے فیصلے کو جو تسلیم نہ کرے' صریحاً انکار کرے اسے دائرہ اسلام سے خارج مانا گیا ہے:

﴿فلا و ربك لا يومنون حتىٰ يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا فى انفسهم حرجاً مماقضيت و يسلموا تسليما﴾(النساء: ٦٥)

"آپؐ کے پروردگار کی قسم کوئی آدمی اس وقت تک سچا مسلم نہیں بن سکتا جب تک وہ آپ کو اپنے درمیان پھوٹنے والے جھگڑوں میں فیصل اور قاضی نہ مان لیں اور پھر جو فیصلہ آپ ﷺ سنا دیں اس کے خلاف اپنے دل میں کسی قسم کا غبار (تنگی) محسوس نہ کریں بلکہ آپؐ کے فیصلے کو دل و جان سے تسلیم کریں" ----پھر فرمایا......:

﴿وما ينطق عن الهوىٰ ان هوا لا وحىٌ يوحىٰ﴾ ۰ النجم: ٣٠٤)

"اور رسول اکرمؐ (دین کے معاملے میں) اپنی خواہش نفس سے کوئی بات

نہیں کہتے' ہاں مگر جو اللہ کی طرف سے انہیں وحی کی جاتی ہے (وہ ضرور بتاتے ہیں ")

﴿ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ﴾

" رسول اکرمؐ جو کچھ تمہیں دیں اسے مضبوطی سے تھام لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو"

﴿فان تنازعتم فی شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُم تُؤمِنُونَ بِاللہِ وَالیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَ اَحْسَنُ تَاوِیْلًا﴾ (النساء: ۵۹)

"اگر تمہارا کسی بات میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف لوٹا دو اگر تم واقعتاً اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہ بات ہر لحاظ سے بہتر اور تاویل کے اعتبار سے بھی سب سے اچھی ہے"

ان تمام آیات سے ثابت ہوا کہ جہاں اللہ کے حکم کو ماننا لازم ہے' وہاں رسول اکرمؐ کے فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کرنا بھی ضروری ہے۔ اس کے لئے قرآن میں ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ بعض آیات کا حکم منسوخ ہے مگر ان کی تلاوت منسوخ نہیں۔ ہم صرف ایک مثال پر اکتفا کریں گے۔ شراب کے بارے میں قرآن مجید میں تین آیات میں دو آیات سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ شراب اب بھی حلال ہے:

﴿یَسئَلُونَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْھِمَا اِثْمٌ کبیر وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ واثمھما اکبر مِن نَّفْعِھِمَا﴾ (البقرہ: ۲۱۹)

" یہ لوگ آپؐ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں

آپ کہہ دیجئے یہ دونوں بہت بڑے گناہ ہیں لیکن اس میں لوگوں کے لئے وقتی فائدے ہیں مگر ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے کہیں زیادہ بڑا ہے'' دوسری آیت:

﴿ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنْتُم سُکَارٰی ﴾ (سورۃ النساء: ۴۳)

''اے ایمان لانے والو نشہ کے عالم میں نماز کے قریب ہرگز نہ جاؤ''

لیکن تیسری آیت آپ ثابت کرتی ہے کہ شراب مطلقاً حرام ہے......:

﴿ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْہ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ (المائدہ: ۹۰)

''اے ایمان لانے والو بیشک شراب' جوا' بت پرستی' فال نکالنے والے تیر' یہ سب گندگی اور شیطانی اعمال ہیں' تم ان سے دور ہٹ جاؤ تاکہ تم دین و دنیا میں سرخرو ہوسکو''

یہ اللہ تعالٰی کا کلی اختیار ہے کہ کسی حکم کو قرآن مجید سے نکلوا کر حدیث رسولؐ میں اسے برقرار رکھے (جیسے رجم) اور یہ بھی اللہ کا اختیار ہے کہ کسی حکم کو تبدیل کر دے جیسے زانیہ عورتوں کی سزا (پہلے گھروں میں قید رکھنے کا حکم تھا' پھر غیر شادی شدہ کو سو کوڑے لگانے کا حکم دیا) پس اگر اللہ تعالٰی نے قرآن مجید سے رجم کی آیت نکلوا کر اس کے حکم کو شریعت مطہرہ میں بحال رکھا تو اس کی حکمت یہی ہے کہ کیا ہم قرآن کے ساتھ ساتھ فرمان رسول کو مانتے ہیں یا نہیں ـ فرمان الٰہی ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ آیَۃٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ

اللهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴾ (البقرہ: ١٠٦)

''ہم جس آیت کو بھی منسوخ کرتے یا اسے فراموش کر دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی ہی دوسری آیت بھیج دیتے ہیں' کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے''

تعزیر کی تعریف

لغوی معنی: تعزیر عَزَّ رَیُعَزِّرُ تَعْزِیراً سے ماخوذ ہے' جس کا معنی روکنا' منع کرنا اور تعظیم کے ساتھ مدد کرنا' کہا جاتا ہے: عزّرہ لامہ' ای اعانہ یعنی اس نے اپنی ماں کی مدد کی اور عزّرہ عن کذا ہو تو منع کیا' روکا (منعہ وردہ) ادّبہ' ضربہ اشد الضرب فخمہ' وعظمہ' اعانہ ونصرہ یعنی ادب سکھایا' اور سخت ضرب ماری' اس کی تعظیم کی' اس کو بڑا مانا' اس کی اعانت ومدد کی (المنجد' ص: ۵۰۳) التعزیر النصرۃ مع التعظیم

کسی کی عظمت کے پیش نظر اس کی مدد کرنا - (المفردات' ص: ۳۳۳) قران مجید میں ہے......:

﴿ وَقَالَ اِنِّی مَعَكُم ...... وَاٰمَنتُم بِرسلی وعَزرتموهم ﴾ (المائدہ: ١٢)

''اور اللہ نے فرمایا:'' میں تمہارے ساتھ ہوں ......اور میرے پیغمبروں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے''

﴿ فَالَّذِينَ اٰمَنوا بِهِ وَعَزَّروه وَ نَصَروهُ ﴾ (الاعراف: ١٥٧)

'' جو لوگ ان ﷺ پر ایمان لائے' ان کی تعظیم کی اور انہیں مدد دی''

اصطلاحی مفہوم:

والتعزير ضرب دون الحدُ فان ذالك تاديب و التاديب نصره

معه

"تعزیر کا معنی وہ سزا ہے جو حد سے کم تر ہوتی ہے اور یہ دراصل تادیب ہوتی ہے اور تادیب درحقیقت کسی کی برائی سے روکنے پر مدد ہوتی ہے۔" (المفردات ص: ۳۳۴)

یاتی التعزیر بمعنی التعظیم و النصرة: و من ذلك قول الله ﴿ لِتُؤمِنُوا بِاللهِ وَ رَسُولِهٖ وَتعَزِّرُوهُ ﴾ (الفتح: ۹) ای تعظموه و تنصروة

تعزیر میں تعظیم اور نصرت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جیسے کہ اللہ کا فرمان ہے۔ کہ" تم اللہ پر اس کے رسول ؐ پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو" یعنی تم پیغمبر ؐ کی تعظیم بجالاؤ اور اس کی مدد بھی کرو (فقہ السنہ' ص ۴۹۷ ج ۲)

تعزیر کا ایک مفہوم اہانت ...... (کسی کو ذلیل کرنا) بھی ہے......:

یُقَالُ عَزّرَ فَلَا ن فلَانا اذا اهانه زجراً تادیبًا له علی ذنب وقع منه

" کہا گیا ہے فلاں نے فلاں کی تذلیل کی یعنی اسے لعنت ملامت کرتے ہوئے س کے کسی گناہ پر اسے سزا دی"

شریعت میں اس کا مقصد اور تعریف یوں بنتی ہے......:

التادیب علی ذنب ای انه عقوبة تادیبیة یفرض الحاکم علی جناية او معصية لم يعين الشرع لها عقوبة (فقه السنة: ۴۹۷ ج ۲)

"حاکم وقت کسی جرم یا گناہ پر ایسی سزا نافذ کرے جو شریعت نے مقرر نہیں کی ہے۔"

و یقصدون بالتعزیر کل عقوبة لیس فیها من الشارع تقدیر

معین فی لالعقوبة بل الامر فیه معوض الی رای القاضی واجتهاده" (تلك حدود الله: ۱۸)

"تعزیر کسی جرم کی وہ سزا ہے جو رسول اکرمؐ نے معین نہیں کی بلکہ یہ معاملہ قاضی کی رائے واجتہاد پر چھوڑ دیا گیا ہے"

مذکورہ بالا تمام بحث سے تعزیر کی جو تعریف سامنے آتی ہے وہ اس طرح ہے جہاں تعزیر کا معنی کسی کو ملامت کرنا، زجر و توبیخ کرنا اور اصلاح کے لئے سزا دینا ہے وہاں تعزیر کا معنی کسی کی پشت پناہی اور اس کی مدد اور نصرت بھی ہے۔ یہ اصول ہمیشہ سے مسلمہ ہے کہ تادیب اس سزا کو کہا جاتا ہے جو کسی کو اصلاح کے لئے دی جائے۔ ہمارے گھروں اور تعلیمی اداروں میں ہر جگہ رائج ہے۔ حتیٰ کہ دنیا کا کوئی بھی ملک ایسا نہیں جو تادیب کا انکاری ہو۔ انگریزی محاورہ ہے۔

`` Spare the rod spoil the child``

(یعنی جہاں بچے کو تادیب نہ کی جائے، وہاں اس کی اصلاح نہیں ہوگی)

یہ فرد اور معاشرے دونوں کی پشت پناہی ہے۔ فرد کی اس اعتبار سے کہ تادیب میں اصلاح کا پہلو ہے اور معاشرے کی اس اعتبار سے کہ وہ امن وامان کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

پس تعزیر کسی جرم کی وہ سزا ہے جسے شریعت نے پیغمبرؐ حاکم وقت یا قاضی وقت کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہو۔ اس سزا میں کمی وبیشی ہوسکتی ہے۔ رسول اکرمؐ نے اس کی سزا دس کوڑوں تک بھی دی ہے۔

ھانیؓ سے روایت ہے انہوں نے رسول اکرمؐ کو فرمائے ہوئے سنا:

" لا تجلدوا فوق عشرة أسواط الافی حد من حدود الله

تعالیٰ"

"اللہ کی حدود کے علاوہ دس کوڑوں سے زیادہ سزا نہ دو۔ (بخاری، مسلم، ابو داؤد)

بہز بن حکیم اپنے والد اور اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں.....:

ان النبیؐ حبس فی التھمۃ (ابو داؤد، ترمذی، النسائی، بیھقی وصححہ الحاکم)

"رسول اکرمؐ نے تہمت کی بنا پر ایک آدمی کو قید کیا (احتیاط کے طور پر ایسا کیا تا کہ حقیقت حال معلوم ہو سکے)"

عمر بن خطابؓ سے یہ بات ثابت ہے۔ فقہ السنہ: ۴۹۷-۴۹۸، ج ۲۔ میں ہے:

"وہ تعزیر اور تادیب کرتے تھے، کسی کا سر منڈا کر، کسی کو جلاوطن کر کے اور کسی کو مار پیٹ کر، آپ نے شراب بیچنے والوں کی دکانیں جلا دیں، وہ بستی جس میں شراب بیچی جاتی تھی اسے آگ لگا دی اور سیدنا سعد بن وقاصؓ کا کوفہ میں محل جلا دیا، جب انہوں نے محل کے دروازوں پر دربان بٹھا دیئے اور رعیت کو ملنا چھوڑ دیا، وہ اکثر ہاتھ میں درہ پکڑے رہتے تھے، جو اس کا مستحق ہوتا تھا اسے لگا دیتے تھے، آپ نے قید خانہ بھی بنایا تھا، آپ نے نوحہ کرنے والی عورت کو اتنا پیٹا کہ اس کے سر کے بال ننگے ہو گئے"

"تعزیر معمولی سے معمولی سزاؤں مثلاً نصیحت، سخت نظروں سے دیکھنا، یا کسی سے توجہ ہٹا لینا سے شروع ہو کر سخت ترین سزاؤں جیسے قید، کوڑے لگانا بلکہ انتہائی گھناؤنے جرم میں قتل کی سزا تک بھی جا پہنچی ہے جبکہ مصلحت عامہ کا تقاضا یہی ہو اور

مجرم کے فساد کو سوائے قتل کے کوئی سزا کم نہ کر سکے (اس وقت یہ لازمی ہوتی ہے) جیسے سرکش مجرم، جاسوس، نت نئے جرائم ایجاد کرنے والے- اس سزا کا اختیار کی رائے پر چھوڑ دیا گیا کہ وہ مجرم کو اس کے اصلاح احوال کے مطابق سزا دے اور اسلامی حاکم کو ایسے قوانین (By laws) بنانے کی اجازت ہے جو جرائم کو ختم کرنے کے لئے تعزیر کی صورت میں نافذ ہو سکتے ہیں-(تلک حدود اللہ: ۱۸-۱۹)

جیسے آج کل منشیات فروشوں کو قتل کی سزا دی جارہی ہے-

اس طرح سنن ابو داؤد میں روایت ہے کہ رسول اکرمؐ کے پاس ایک مخنث کو لایا گیا جس نے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کو مہندی لگائی ہوئی تھی، آپؐ نے پوچھا اس نے ہاتھوں اور پاؤں کو کیوں مہندی لگائی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا، عورتوں سے مشابہت اختیار کرتا ہے، پس آپؐ نے اسے بقیع کی جانب سے شہر سے نکال دیا- آپؐ سے عرض کیا گیا: کیا ہم اس کو قتل کر دیں؟ آپؐ نے فرمایا.....:

انی نهیت عن قتل المصلین" (کہ مجھے نمازیوں کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے)

سیدنا عمر بن خطابؓ نے شراب کے بارے میں چالیس کوڑوں کی حد کو اسی (۸۰) کوڑوں میں تبدیل کیا- اسی لئے امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ شراب کی حد اسی (۸۰) کوڑے مانتے ہیں- اس کی دلیل یہ ہے کہ سیدنا عمرؓ نے صحابہ سے شراب کی حد کے بارے میں مشورہ کیا تو سیدنا عبدالرحمان بن عوفؓ نے فرمایا": اجعلہ کاخف الحدود ثمانین" سب سے ہلکی حد کی سزا کے مطابق اسی (۸۰) کوڑے دیجئے- پس آپؐ نے اسی (۸۰) کوڑے لگوائے اور شام میں سیدنا خالد بن ولیدؓ اور سیدنا ابو عبیدہؓ کو ایسا کرنے کا حکم دیا-

سیدنا علیؓ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے مشورہ دیتے ہوئے فرمایا.......:

" نری ان تجلده ثمانین لانه إذا شرب سکر، و اذا سکر هذى ، و اذا هذى افترى ، وعلى المفترى ثمانون" (ص: ۲۰۱)

"ہمارا مشورہ ہے کہ اسے اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں کیونکہ جب وہ شراب پیتا ہے تو نشے میں ہوتا ہے، جب نشے میں ہوتا ہے تو بیہودہ بکواس کرتا ہے اور جب بیہودہ بکواس کرتا ہے تو تہمت لگاتا ہے اور تہمت (قذف) لگانے والے کو سزا (۸۰) کوڑے ہے"

امام شافعیؒ کی رائے مختلف ہے اور یہ رائے امام احمدؒ کی روایت سے ہے کہ شراب کی حد صرف چالیس کوڑے ہے اور اگر امام اسے اسی (۸۰) کوڑے لگائے تو اس کی اسے اجازت ہے کیونکہ حد چالیس (۴۰) ہے اور اس سے زائد تعزیر ہے۔ رسول اکرمؐ کا عمل حجت ہے، کسی دوسرے کے عمل کی وجہ سے آپؐ سے عمل کا ترک جائز نہیں اور رسول اکرمؐ سیدنا ابوبکر اور سیدنا علیؓ کے عمل کے خلاف کوئی اجماع نہیں ہوسکتا، سیدنا عمرؓ کا چالیس کوڑے زیادہ کرنا دراصل تعزیر ہے اور یہ اس طرح جائز ہے کہ جب امام/خلیفہ اس بات کو مناسب سمجھے تو وہ اس پر عمل کرسکتا ہے۔ سیدنا عمر موٹے تازے عادی شرابی کو (۸۰) کوڑے لگواتے اور ضعیف اور کمزور شرابی غیر عادی کو چالیس کوڑے لگواتے۔" (فقہ السنۃ: ۳۳۶، ج ۲)

تعزیر زبان سے بھی ہوسکتی ہے جیسا کہ کسی کو سخت سست کہنا، لعنت ملامت کرنا، وعظ و نصیحت کرنا اور حالات کے تقاضوں کے مطابق عمل سے بھی ہوسکتی ہے، جیسے مارنا، پیٹنا، قید کرنا، جلاوطن کرنا، معزول کرنا اور ذلیل و رسوا کرنا۔" (فقہ السنۃ: ۲/

(۴۹۸

یہ بھی ثابت ہے کہ تعزیر میں درج ذیل سزائیں دینا جائز نہیں: (۱) داڑھی کا منڈوانا (۲) گھر کا برباد کرنا' (۳) باغوں کو تباہ کرنا اور کھیتوں کا اجاڑنا' پھلوں اور درختوں کا کاٹنا' (۴) ناک' کان' ہونٹ اور انگلیوں کا کاٹنا۔

تعزیر کی ایک صورت یہ بھی بنتی ہے کہ اگر کسی حد کے جرم میں قاضی وقت کے پاس "حد" کی اسلامی شہادت کی شروط مکمل نہ ہوں اور وہ موجودہ شہادتوں' تحقیق و تفتیش کے نتیجے میں سمجھتا ہو کہ مجرم یہی ہے تو اس صورت میں وہ حد کے بجائے اس پر تعزیر نافذ کرسکتا ہے۔

فلسفہ/حکمت

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ کہتے ہیں' اسلام کی سزائیں بڑی وحشیانہ اور ظالمانہ ہیں' غیر فطری اور غیر انسانی ہیں۔ جبکہ یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ دنیا کا کوئی بھی قانون سزاؤں (penal cade) سے مستثنیٰ نہیں' وہ ممالک جو کسی مذہب کو نہیں مانتے' دہریت و الحاد ان کا ایمان ہے' وہ بھی اپنے قانون میں سزاؤں کا ایک نظام رکھتے ہیں اور وہ معمولی جرائم پر اس قسم کی سزائیں بھی دیتے ہیں جن کا تصور بھی قرآن وسنت میں نہیں کیا جاسکتا۔

روس میں ہمیشہ سے یہ نظام رہا کہ جو آدمی کمیونزم کے خلاف بات کرتا تھا تو اسے سائبریا کے جنگلات میں پھینک دیا جاتا تھا اور ایسے بہت سے لوگوں کو اڑا دیا گیا' ان کا جرم یہ تھا کہ جس ڈیم کی تعمیر پر ان کی ڈیوٹی تھی وہ گر گیا۔ اس طرح دنیا کے ہر ملک کے قانون میں سزاؤں کا ایک نظام ہے جو انسان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس نظام میں جرم کم ہوتا ہے سزا زیادہ ہوتی ہے یا سزا

کم ہوتی ہے اور جرم بڑا ہوتا ہے لیکن اس نظام کا مقصود بھی فرد اور معاشرے کی اصلاح ہوتی ہے ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ اسلام نے حدود تعزیرات کا جو نظام دیا ہے اس سے ہی جرائم کی روک تھام ممکن ہوسکتی ہے۔

اللہ ہی نے انسان کی تخلیق کی اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کی اصلاح کیسے ہوسکتی ہے' یہ بات معروف ہے کہ جو انجینئر جس مشینری کا موجد ہوتا ہے وہ اس کی سب سے بہترین اصلاح کرسکتا ہے' امریکی معاشرے کے بارے میں یہ بات معروف ہے کہ وہاں لوگ زیور تعلیم سے آراستہ ہیں' جو بڑے مہذب اور صاحب اخلاق مانتے جاتے ہیں لیکن مختصر وقفے کے لئے بجلی چلے جانے پر یہ تعلیم یافتہ اور مہذب لوگ جو گل کھلاتے ہیں ان کی تفصیلات اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔

مقام افسوس یہ ہے کہ ان مہذب لوگوں نے جرائم کی تعریف بدل ڈالی ہے۔ ان کے ہاں زنا صرف وہ ہوتا ہے جو کسی کے ساتھ زبردستی کی جائے' اگر باہمی رضامندی سے بدکاری کی جائے تو یہ زنا کی تعریف میں نہیں آتی اور مستوجب سزا نہیں۔ بلکہ ایسے مادر پدر آزاد معاشروں میں اگر ماں باپ اپنے بچوں کو منع کرنے کی کوشش کریں تو وہ قابل گردن زنی قرار پائیں۔

بہرحال یہ بات واضح ہے کہ دنیا کا کوئی قانون سزا کے نظام سے مستثنیٰ نہیں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ سزا سے اصلاح نفس اور اصلاح معاشرہ جیسے اہم مقاصد حاصل ہوتے ہیں' اس لئے اسلام نے جو سزائیں مقرر کی ہیں' وہ نہ صرف اصلاح معاشرہ کے لئے کام آتی ہیں بلکہ یہ ایسا نظام ہے جو باعث برکت و رحمت ہے جو لوگوں کی جان' عزت و آبرو کا محافظ بھی ہے اور دنیا میں باعث امن اور آخرت کے لئے فوز و فلاح کا ضامن بھی ہے۔ ابراہیم احمد لکھتے ہیں.....:

'' اسلام نے حدود وتعزیرات کا ایسا نظام دیا جو لوگوں کے جان مال اور عزت وآبرو کا محافظ ہے''

اسلام نے حدود کو اس لئے قانونی صورت دی کہ یہ اللہ کی طرف سے اس کے بندوں کے لئے باعث رحمت ہے' اگر وہ ان حدود کو قائم کئے رکھیں' ان سے آگے نہ بڑھیں' انہیں لازم جانیں اور انہیں پامال نہ کریں تو (اسلامی معاشرے میں) عدل کی حکمرانی ہو' امن وامان کا دور دورہ ہو' اہل اسلام امن وآشتی کے ساتھ رہیں اور یہ بلا شک دنیا میں ترقی اور کمال کا زینہ اور آخرت کیلئے فلاح وفوز کا ضامن ہوگا'' (تلک حدود اللہ' ص ۵)

فرق صرف یہ ہے کہ باقی ممالک کی سزائیں خود ساختہ اور ان کے اپنے ذہنوں کی پیداوار ہیں جبکہ اسلامی سزاؤں کا نظام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کا تشکیل کردہ ہے۔

انسان برائی کا مرتکب کیوں ہوتا ہے؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک آدمی برائی کا مرتکب کیوں ہوتا ہے۔قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَنَفْسٍ وَمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾ (الشمس: ۷-۸)

''قسم ہے نفس کی اور ان کی جس نے اس کے اعضاء کو برابر کیا' پھر اس کے نفس میں نیکی اور برائی کے جذبات ڈال دیئے''.....دوسری جگہ فرمایا.....:

﴿ اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴾(الدھر: ۳)

''ہم نے انسان کو صراط مستقیم کی ہدایت دی' اب اس کی مرضی ہے کہ وہ شکر

گزار بن جائے یا ناشکرا بن جائے"

رسول اکرمؐ کی حدیث ہے......:

" کل بنی آدم خطاء ون و خیر الخطائین التوابون" (ترمذی

' ابن ماجه)

"تمام بنی نوع انسان خطا کار ہیں اور سب سے بہتر خطا کار وہ ہیں جو اللہ کے دروازے پر لوٹ جاتے ہیں (توبہ کر لیتے ہیں)"

انگریزی کا مقولہ ہے To error is human "انسان غلطی کا پتلا ہے"

ان آیات اور حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی فطرت میں برائی کا مادہ موجود ہے۔یہ حقیقت قرآن مجید میں یوسف علیہ السلام کی زبان سے یوں بیان ہوا:

﴿ وَمَا اُبَرِّیٔ نَفسِیٔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیٔ ﴾ (یوسف: ۵۳)

"میں اپنے آپ کو برائی سے بری الذمہ قرار نہیں دیتا کیونکہ نفس انسان کو برائی پر بہت زیادہ اکسانے والا ہے مگر ہاں جس پر میرا پروردگار رحم کرے"

کائنات میں برائی کے دو سبب ہیں۔ایک نفس امارہ اور دوسرا شیطان' شیطان نے بھی ابتدائے آفرینش میں اللہ سے یہ کہا تھا:

﴿ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاَ قْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ثُمَّ لَاَتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴾

" (شیطان نے) کہا کیونکہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے تو میں بھی تیرے

سیدھے راستے پر (ان سب انسانوں کو) گمراہ کرنے کے لئے جم کر بیٹھوں گا' پھر میں ان کے آگے سے' انکے پیچھے سے' ان کے دائیں' ان کے بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا اور انہیں گمراہ کروں گا اور تو ان میں سے اکثر شکر گزار نہیں پائے گا'' (الاعراف: ۱۶'۱۷)

﴿قَالَ رَبِّ بِمَا اَغْوَيْتَنِى لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ (الحجر: ۳۹)

''(شیطان نے) کہا میرے پروردگار جیسا تو نے مجھے گمراہ کیا ہے' میں لوگوں کے لئے زمین میں گناہ کو آراستہ کر دکھاؤں گا اور سب کو گمراہ کروں گا'' .....

﴿قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ (ص: ۸۲)

''(شیطان نے) کہا مجھے تیری عزت کی قسم میں ان سب (انسانوں) کو گمراہ کروں گا''

آدمؑ اور حواؑ کو بہکانے والا شیطان تھا- ارشاد ہے.....:

﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ وَقَاسَمَهُمَا اِنِّى لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ﴾

''شیطان نے آدم اور حوا کے جی میں وسوسہ ڈالا' اور (شیطان نے) ان دونوں سے قسم کھا کر کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں- غرض (اس نے) انہیں دھوکہ دیکر ان کو (معصیت کی طرف) کھینچ ہی لیا- پھر شیطان نے دونوں کو وہاں سے پھسلا دیا اور جس (جنت) میں تھے اس سے ان کو نکلوا دیا''

ثابت ہوا انسان کو برائی پر اکسانے والے یہی دو عوامل ہیں' عام طور پر دیکھا

گیا ہے کہ انسان برائی کرنے کے بعد شیطان کو کوستا ہے' لیکن اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ شیطان انسان کا دشمن ہی

﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا﴾

"شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے اپنا دشمن جانو" لیکن انسان کا نفس شیطان سے بھی بڑا دشمن ہے۔

علامہ اقبال نے اس حقیقت کو شیطان کی زبان سے یوں بیان کیا:

ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرت انسان پر

فعل بد تو خود کرے لعنت کرے شیطان پر

یہ کہا جاتا ہے کہ جب دنیا میں شیطان نہیں تھا تو پھر شیطان کو کس نے گمراہ کیا -اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ ابلیس کو اس کے نفس نے گمراہ کیا-قرآن مجید میں ہے جب اللہ نے اس سے پوچھا کہ تو نے مجھے سجدہ کیوں نہیں کیا تو اس نے کہا:

﴿أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ﴾ (الاعراف: ۱۲)

دوسری جگہ ہے:

﴿أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ﴾ (بقرہ: ۳۴)

"میں انسان سے افضل ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور انسان کو مٹی سے پیدا کیا"......("شیطان کے نفس کی سرکشی یہ تھی کہ)وہ تکبر میں آ گیا اور اللہ کے حکم کا انکار کیا"

جس پر اللہ نے فرمایا......:

﴿فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ﴾

''اللہ نے فرمایا:'' تو جنت سے اتر جا- تجھے یہاں تکبر کرنے کی اجازت نہیں تو جنت سے نکل جا' بے شک تو ذلیل ورسوا ہے'' (الاعراف:۱۳)

پس ثابت ہوا کہ برائی کے دونمائندے نفس امارہ اور شیطان انسان کو ہر وقت برائی پر اکساتے رہتے ہیں جب تک ایک بھی انسان دنیا میں رہے گا برائی اور گناہ کے امکانات معدوم نہیں ہو سکتے - ذیل میں ہم نکتہ وار اسلامی نظام عقوبات کے پس پردہ کارفرما تصورات اور نظریات پر بحث کرتے ہیں:

(1) اصلاح نفس

انسان خطا کا پتلا ہے یہی مفہوم ہے رسول اکرمؐ کی اس حدیث کا کہ'' تمام بنی نوع انسان خطا کار ہیں اور سب سے بہتر خطا کار وہ ہے جو اللہ کے دروازے پر لوٹ آئے -''

لہٰذا انسانی سرشت اور فطرت سے برائی کا مادہ ختم نہیں کیا جا سکتا - صورت صرف ایک باقی رہ جاتی ہے کہ مجرم کو معاشرے کا باعزت شہری بنا کر زندہ رہنے کے قابل بنایا جائے

اسلامی سزاؤں کا نظام مجرم کی اصلاح کرتا ہے لہٰذا اسلام نے جو سزائیں دی ہیں ان کا پہلا بنیادی فلسفہ یہی ہے کہ اس کی اصلاح کی جائے' چور کا ہاتھ کاٹنا ظلم نہیں بلکہ اصلاح نفس کی ایک صورت ہے رسول اکرمؐ نے بنومخزوم کی عورت کا جب ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا تو آپؐ کے پاس سفارش کی گئی تھی کہ آپؐ کوئی جرمانہ' تاوان وغیرہ لگا دیں مگر ہمارے قبیلے کی عورت کے ہاتھ نہ کاٹیں - تو رسول اکرمؐ

نے فرمایا": ایم اللہ لو کانت فاطمۃ بنت محمد ﷺ سرقت لقطعت یدھا (احمد' نسائی)

پس چور کا ہاتھ کاٹنا کوئی سخت اور انوکھی سزا نہیں اور روس میں چوروں کو قید کی سزا دی جاتی تھی لیکن آخر کار روسیوں پر یہ بات عیاں ہوئی کہ قید کی سزا سے چوری ختم نہیں ہوئی بلکہ جرم دن بدن بڑھ رہا ہے تو انہوں نے چور کو گولی سے اڑانے کی سزا متعین کی:

"بے شک چور کا ہاتھ کاٹنا کوئی سنگدلانہ یا عجیب وغریب سزا نہیں ہے روس آخر کار چوری کی سخت سزا نافذ کرنے پر مجبور ہوا' جب اسے یہ علم ہوا کہ چوری کے لئے قید کی سزا چوری کے جرم کے ارتکاب میں کوئی کمی نہیں کر سکی بلکہ اس سے معاشرے میں انتشار و بے راہ روی کا اضافہ ہوا ہے' لہٰذا روس کو چوری کیلئے گولی سے اڑانے کی سزا مقرر کرنا پڑی۔ (صحیفہ الاہرام المصریہ: 14۔ اگست 1963ء)

تقاضائے بشریت کی بنیاد پر انسان سے خطائیں سرزد ہوتی ہیں' اس سلسلے میں عبداللہ بن ابراہیم الانصاری نے بڑی خوبصورت بات کہی ہے:

بعض نفوس انسانی میں فطرت سلیمہ سے انحراف پیدا ہو جاتا ہے اور ان کی طبائع خباثت کا شکار ہوتی ہے' مذاق شر ان میں بڑھ جاتا ہے اور وہ جرم کی مرتکب ہوتی ہے' ان کے نزدیک کسی کی عزت' عظمت اور شرف کو کوئی پاس اور قیمت نہیں ہوتی' نہ انہیں کسی کی فضیلت کا احترام و لحاظ ہوتا ہے' ایسی قسم کے لوگوں کی اگر رسی ڈھیلی چھوڑ دی جائے تو وہ زمین میں بے پناہ فساد برپا کرتے ہیں اللہ کے بندوں اور ممالک میں بدبختی طاری ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی اصلاح کا طریقہ بتایا ہے اور ایسے ضابطے اور قوانین بتائے ہیں جو ان کی بے راہ

روی کو ٹھیک کرتے ہیں' پس اللہ نے ایسے گم کردہ راہ لوگوں کا علاج' جرم کو بیخ و بن سے اکھیڑنے اور ظلم و زیادتی کے جراثیم ختم کرنے کے لئے حدود نازل کیں- امام ابن تیمیہؒ نے حدود کے اسی فلسفہ و حکمت کے بارے میں بڑی بلیغ بات کی:

بے شک اللہ تعالیٰ نے شرعی سزاؤں کو اپنے بندوں کے لئے باعث رحمت بنایا ہے اور یہ اس کی مخلوق کے لئے اللہ کی طرف سے رحمت و احسان ہیں- پس ہر وہ آدمی جو انسانوں کو گناہوں پر سزا دینے کے لئے متعین ہوا سے چاہئے کہ وہ ان مجرموں کے ساتھ رحمت اور احسان کا اسی طرح قصد کرے جس طرح ایک والد اپنے بیٹے کی سزا کیلئے کرتا ہے اور جس طرح ایک ڈاکٹر اپنے مریض کا علاج میں کرتا ہے"(تلک حدود اللہ:6)

(۲)اصلاح معاشرہ

اسلامی حدود و تعزیرات کا دوسرا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ معاشرے کے اندر امن اور استحکام پیدا ہو- اسلامی فلاحی مملکت کا تو بنیادی مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ عوام کے لئے ریاست کو امن کا گہوارہ بنائے اگر مجرم کو سزا نہ دی جائے تو کوئی فلاحی مملکت معرض وجود میں نہیں آ سکتی' معاشرہ جنگل کا معاشرہ ہوگا جس کی لاٹھی اسی کی بھینس کا قانون چلے گا' یہ چیر پھاڑ کر کھا جانے والے درندوں کی بستی ہوگی' فرد کی سزا اور اصلاح کا مقصد معاشرے کی اصلاح و فلاح ہے' قرآن نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا:

﴿ ولکم فی القصاص حیاۃ یاولی الالباب ﴾ (البقرہ: 179)

"اے عقل مند انسانوں! قصاص میں ہی تمہاری زندگانی ہے"

رسول اکرمؐ کا فرمان ہے:

" حد یعمل به فی الارض خیر لاهل الارض من ان یمطر وا لربعین صباحاً"

"زمین پر اگر ایک حد نافذ کر دی جائے تو یہ اہل ارض کے لئے اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ انہیں چالیس دن متواتر صبح سویرے بارش سے سیراب کیا جائے"

بارش بستیوں کے لئے خوشحالی کا پیغام لاتی ہے' چالیس دن اگر متواتر صحرائی زمینوں میں بارش ہوتو اس سے کھیتیاں لہلہا اٹھیں گی' اجناس میں برکت ہوگی' بستی والوں کے لئے خوشحالی و فارغ البالی بڑھے گی' لیکن رسول اکرمؐ فرماتے ہیں:" ایک حد کا نافذ کر دینا گویا اس بستیکے لئے اس سے بڑے امن سکون' خوشحالی' فارغ البالی کا پیغام ہوگا جو کہ چالیس روز کی بارش بھی مہیا نہیں کر سکتی۔" عبداللہ ابراہیم الانصاری لکھتے ہیں.....:

"اللہ تعالیٰ کی حدود کو نافذ کرنا ان بیماریوں کا علاج ہے جو اسلامی معاشرے میں پیدا ہوتی ہیں اور یہ ان بیماریوں کے لئے احتیاطی تدابیر ہیں جو ان حدود کے نافذ نہ کرنے سے پیدا ہوسکتی ہیں' ان کی مثال کشتی میں سوار ان لوگوں کی سی ہے کہ گر ایک آدمی کشتی میں سوراخ کرے اور باقی لوگ اسے منع نہ کریں تو وہ سب کو لے ڈوبے گا' پس اسلامی معاشرے میں انسانوں کی زندگی کی حفاظت وضمانت اسلامی حدود وتعزیرات کو نافذ کرنے میں ہی مضمر ہے" (تلک حدود الله: 6)

اس کی عملی مثال ہم قرون اولیٰ سے پیش نہیں کرتے بلکہ آج کی دنیا میں سعودی عرب کا معاشرہ اس کی بہترین مثال ہے' آج سعودیہ میں جرائم کا تناسب ساری دنیا سے کم کیوں ہے؟ اپنے آپ کو ترقی یافتہ ممالک کہلانے والے' سب سے

زیادہ تعلیم یافتہ تسلیم کروانے والے کیا یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ان کے ممالک میں جرائم کا تناسب سعودیہ سے کم ہے؟

سعودی عرب کے رہنے والے آسمانوں سے نہیں اترے اور نہ وہ فرشتے ہیں اگر آج وہاں جرائم کی تعداد کم ہے' معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ ہے' گاڑیاں بغیر لاک کے کھڑی رہتی ہیں' نماز کے اوقات میں دوکاندار کھلی دکانیں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں' ڈکیتیاں اور رہزنی کے واقعات نہ رہنے کے برابر ہیں تو اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہاں قرآن وسنت کے مطابق حدود وتعزیرات کا نظام نافذ ہے اس کی برکتیں معاشرے میں دیکھنے والوں کو نظر آتی ہیں' ڈاکٹر عبدالقادر عودہ مصری شہیدؒ لکھتے ہیں.....:

سعودی عرب میں اسلامی شریعت کو مکمل طور پر نافذ کیا گیا ہے اور حکومت جرائم کے فیصلے کرنے اور مملکت میں حفظ وامان کرنے میں اس طرح کامیاب ہوئی ہے جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی' لوگ اکثر یہ ذکر کرتے ہیں کہ ایک وقت تھا جب حجاز میں امن وامان کا مسئلہ کس طرح بگڑا ہوا تھا' سکون نام کی کوئی چیز نہ تھی بلکہ حجاز مقدس اکثر جرائم وربدترین جرائم میں ایک ضرب المثل تھا- مسافر اور مقیم کی حالت ایک ہی جیسی تھی کہ وہ شہر میں یا دیہات میں ہو اس کے جان ومال کی ضمانت نہ تھی' دن ہو یا رات ہر وقت انسان خوف وخطرے میں رہتا تھا' دوسرے ممالک اپنے حجاج کے ساتھ ان کی نگرانی کیلئے مسلح دستے بھیجتے تھے تاکہ انکے حاجی سلامت رہیں اور ان پر ہونے والی زیادتی کو روکا جائے' لیکن یہ خاص دستے اور حجاز کے امن وامان کے ذمہ دار بھی ملک میں امن قائم کرنے پر قادر نہ تھے- اس کے باوجود حاجیوں کے قافلے لوٹ لئے جاتے تھے' ان کے سامان چوری ہوتے اور حاجیوں کو

قتل کر دیا جاتا تھا' سعودی عرب میں امن وسلامتی کے ضامن اس وقت تک عاجز رہے جب تک شریعت اسلامی نافذ نہیں ہوئی اور دن و رات میں انقلاب برپا ہوا' حجاز مقدس کے سب شہروں میں امن کا دور دورہ ہوا مقیم اور مسافر سب مطمئن ہوئے' لوٹ مار' چوری اور قتل کا عہد ختم ہوا اور جرائم کی خبریں قصہ پارینہ بن گئیں۔'' (ص: 226)

امن وامان اور امانت و دیانت' کے ایسے ایسے واقعات دیکھنے کو ملتے ہیں کہ انسان کو یقین نہیں آتا' لیکن جن کو اس کا تجربہ ہوا' یا جن کے ساتھ یہ واقعات پیش آئے' وہ لکھتے ہیں.....:

''ایک آدمی کا بٹوہ راہ چلتے سڑک پر گم ہوگیا۔ جونہی وہ پولیس والوں کے پاس پہنچا تو اس کا بٹوہ اسے اسی حالت میں مل گیا صرف اس کو اپنے بٹوے کی نشانی بتانا پڑی۔ ایک آدمی راستے میں اپنی لاٹھی چھوڑ گیا۔ ٹریفک پولیس حرکت میں آ گئی اور اس نے پولیس کو وہ لاٹھی متعلقہ آدمی تک پہنچانے کا حکم دیا اس طرح ایک آدمی کا سامان گم ہوگیا اور وہ اس کے دوبارہ حاصل کرنے پر مایوس تھا' نہ وہ اس سامان تک پہنچ سکتا تھا لیکن کیا دیکھتا ہے کہ پولیس کے آدمی اسے ڈھونڈتے ہوئے اس کے پاس آتے ہیں اور سامان واپس کر دیتے ہیں (ص: 227)

پس یہ ہے وہ تجربہ جس سے ثابت ہوا کہ اسلامی شریعت کا نفاذ ہی معاشرے کی حفاظت کا ضامن ہے' آج انگلینڈ' امریکہ اور مصر جیسے ممالک بھی مجبور ہو گئے ہیں کہ تموین (ذخیرہ اندوزی) اور تسعیر (قیمتوں میں بے جا اضافہ) اور امن عامہ جیسے معاملات پر کوڑوں کی سزا نافذ کریں۔

''یہ بین الاقوامی اعتراف ہے کہ کوڑوں کی سزا ہر دوسری سزا سے زیادہ کارگر

ہے اور یہی وہ تنہا سزا جو عوام کو قانون کی اطاعت اور نظام کی حفاظت پر کفایت کرتی ہے اور انسانی خودساختہ سزائیں کوڑوں کی سزا کی مقابلے میں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔(ص:227)

(۳) جرائم میں کمی

اسلامی حدود و تعزیرات کے نفاذ سے جرائم میں ممکنہ حد تک کمی واقع ہوتی ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ حدود و تعزیرات کے نفاذ سے معاشرے سے جرم کا وجود ختم ہو جائے گا' اس لئے کہ جب تک انسان اس زمین پر موجود ہے جرائم ختم نہیں ہو سکتے' رسول اکرمؐ کا فرمان ہے:

کل بنی آدم خطاؤن" (تمام بنی نوع انسان خطا کار ھیں)"

کتنی مقدس سے مقدس فضا کیوں نہ ہو جہاں بھی انسان ہوگا خطائیں ہوں گی ' جنت جیسی مقدس فضا میں بھی آدمؑ سے غلطی ہوگئی'

رسول اکرمؐ کا دور" خیرالقرون قرنی" (میرا زمانہ تمام زمانوں کا شاہکار ہے) مگر اس میں بھی صحابہ کرامؓ سے غلطیاں ہوئی' انہیں سزائیں بھی ملیں' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان جہاں بھی ہوگا وہاں ایسے معاملات پیش آئیں گے' لیکن نگرانی کے اس نظام کو سخت کر کے ہم اس کے امکانات کو کم سے کم تر کر سکتے ہیں اگر ختم نہیں کر سکتے' کسی ملک سے سمگلنگ ختم نہیں ہوسکتی البتہ سرحدوں پر پہرے بٹھا کر سمگلنگ کے امکانات کو کم کیا جا سکتا ہے۔F-B-I ہر سال دنیا میں جرائم کے تناسب کے اعداد و شمار شائع کرتا ہے' جس میں کتنے سالوں سے یہ بات مشاہدے میں آ رہی ہے کہ فی الوقت دنیا میں سب سے کم جرائم صرف سعودی عرب

میں ہوتے ہیں۔

(۴) سزائیں فطرت کے مطابق

ہم یہ بات لکھ چکے ہیں کہ اللہ نے انسان کی تخلیق کی اور وہی بہتر جانتا ہے کہ اس کی اصلاح کیسے اور کتنی سزا سے ہوسکتی ہے' لہٰذا اسلامی حدود و تعزیرات کا نظام انسانی فطرت کے عین مطابق ہے' ایک شادی شدہ مرد و عورت کے لئے جب رجم کی سزا متعین ہوئی تو یہ انکے ساتھ زیادتی نہ تھی بلکہ تجربے اور مشاہدے میں یہی آتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو دیکھتا ہے تو غیرت کے مارے دونوں کو قتل کرنے کے درپے ہوتا ہے اور یہی سزا جب اسلام سناتا ہے تو یہ ظالمانہ نہیں اور نہ صرف فطرت کے عین مطابق ہے بلکہ اپنے اندر بہت سے سماجی اور اخلاقی پہلوؤں کی اصلاح کی بھی ضامن ہے۔

یہ سزائیں کم و بیش زمانہ جاہلیت میں قبائل میں نافذ کی جاتی تھیں' ان میں سے جو فطرت کے مطابق تھیں' انہیں من و عن نافذ کر دیا گیا اور جو فطرت کے خلاف تھیں' انہیں منسوخ کر دیا گیا۔

ہاتھ کاٹنے کی سزا اور دیت کا نظام زمانہ جاہلیت میں بھی بعض قبائل میں رائج تھا۔ اسلام نے اسی کو اختیار کیا۔ ہاتھ کاٹنے کی یہ سزا ایک چور کے لئے نہ تو سخت تھی اور نہ شاذ' بلکہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ روس اور چین جیسے ممالک میں جہاں وجود باری تعالیٰ کا ہی انکار کیا جاتا ہے وہ بھی ان سزاؤں کو نافذ کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں:

یقیناً شریعت کی کامیابی کا راز اس کی سزاؤں میں ہے جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں' شریعت نے انسانی فطرت کا محاصرہ کیا ہے اور فطرت کی اساس کی بنیاد پر عام جرائم کی سزائیں متعین کی ہیں جبکہ حدود اور قصاص کے لئے خاص

سزائیں مقرر کی ہیں۔" (التشریع الجنائی الاسلامی: ج 2 'ص : 713'714)

آج کل چین بھی اس پر عمل پیرا ہے 'نوائے وقت کی 3 نومبر 1996ء کی اشاعت پیش نظر ہے: " چین: 62 افراد کو فائرنگ سکواڈ نے گولیوں سے بھون ڈالا' ایک مجرم کو سٹریچر پر باندھ کر لایا گیا' جو چھلانگ لگا کر ٹانگیں توڑ بیٹھا تھا'

ہانگ کانگ (اف پ) چین میں جرائم پیشہ افراد کے خلاف جاری مہم کے نتیجہ میں مزید 62 افراد کو پھانسی دے دی گئی۔ ان افراد کو شیزا' ڈونگ گان' زوہانگ یان اور ہووو میں بدھ کے روز فائرنگ سکواڈ کے سامنے گولیوں سے اڑا دیا گیا

(۵) باعث رحمت و برکت

اسلامی حدود و تعزیرات کا ایک فلسفہ یہ بھی ہے کہ اس نظام کو نافذ کرنے سے اللہ کی رحمت اور برکت اس سرزمین پر برستی ہے' جیسا کہ گذشتہ اوراق میں نبی اکرمؐ کا فرمان ذکر ہوا ہے امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا......:

"اللہ تعالیٰ نے حدود و تعزیرات کو اپنے بندوں کے لئے باعث رحمت بنایا ہے اور یہ کائنات کے لئے رحمت اور بندوں پر اس کا احسان ہے' پس جو آدمی لوگوں کے جرائم پر سزا نافذ کرے اس کو چاہئے کہ وہ اس کے ساتھ رحمت اور ان پر احسان کا قصد کرے جس طرح ایک والد اپنے بیٹے کو سزا دیتا ہے یا جس طرح ایک ڈاکٹر اپنے مریض کا ہمدردی کے ساتھ علاج کرتا ہے۔" (تلک حدود اللہ: 6)

اسلامی حدود و تعزیرات کا نظام جہاں اللہ کی طرف سے دنیا والوں کے لئے باعث برکت و رحمت ہے وہاں اہل دنیا کے لئے باہمی محبت و اخوت کا ضامن بھی ہے' جتنے جرائم کم ہوں گے اتنا ہی لوگوں کے درمیان شکوے شکایات کم ہوں گی۔ جذبہ انتقام سرد پڑ جائے گا اور عوام الناس میں یگانگت اور محبت کے جذبات پرورش

پائیں گے - تہذیب وثقات کا معیار بلند ہوگا اور ایک مثالی فلاحی معاشرہ معرض وجود میں آئے گا-

(۶) اقتصادی ترقی

معاشرے کا امن وامان دراصل اقتصادی ترقی کا ضامن ہوتا ہے' جن ممالک میں قدم قدم پر ڈاکے پڑتے ہوں' بنک لوٹے جاتے ہوں' اور راتوں کو چور لوگوں کی نیندیں حرام کردیں' قتل وغارت گری کا بازار گرم رہے تو وہ ملک اقتصادی موت مر جاتے ہیں - لہٰذا اسلامی حدود وتعزیرات کے نفاذ سے ہر ملک کی اقتصادی ترقی بھی وابستہ ہے - جہاں اقتصادی ترقی ہوگی وہاں لازماً معاشرتی سکون آئے گا - مجرموں کی حوصلہ شکنی ہوگی' مظلوم کی دادرسی ہوگی' اور عوام الناس میں قانون شکنی کی ہمت نہیں رہے گی' معاشرتی دشمنیاں' حسد اور کینہ اس قسم کی روحانی بیماریوں سے معاشرہ محفوظ رہے گا - غربت وافلاس کے سائے ختم ہوں گے اور خوشحال اور فارغ البالی کا دور دورہ ہوگا -

(۷) انصاف کے تقاضے

اسلامی حدود وتعزیرات کا ایک فلسفہ یہ بھی ہے کہ یہ حدود وتعزیرات انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں - اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا ......:

﴿ یاایھا الذین امنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی ....﴾ (البقرہ: 178)

" اے ایمان لانے والو (مقتولوں کے بارے میں) تم پر قصاص (خون کے بدلے خون) فرض کیا گیا ہے' آزاد کے بدلے میں آزاد (قتل کیا جائے) اور غلام کے بدلے میں غلام اور عورت کے بدلے میں عورت قتل کی جائے' اگر قاتل کو اس

کے مقتول بھائی کے قصاص میں سے کچھ معاف کر دیا جائے (تو مقتول کے وارث کو) اچھے طریقے سے (قرارداد کی پیروی یعنی مطالبہ خون بہا) کرنا چاہئے اور (قاتل کو) خوبی کے ساتھ ادا کرنا چاہئے یہ پروردگار کی طرف سے تمہارے لئے آسانی اور مہربانی ہے' جو اس کے بعد زیادتی کرے اس کیلئے دردناک عذاب ہے'

دوسری جگہ قرآن مجید میں فرمایا گیا.......:

﴿ و كتبنا عليهم فيها ان النفس بالنفس و العين بالعين ﴾ (المائدہ: 45)

"اور ہم نے ان لوگوں کے لئے تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان' آنکھ کے بدلے آنکھ اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا اسی طرح بدلہ ہے' لیکن جو شخص بدلہ معاف کر دے وہ اس کے لئے کفارہ ہے اور جو اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ایسے لوگ ہی بے انصاف ہیں۔"

ان آیات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عدل وانصاف کا نظام دیا ہے جسے اگر معاشرے میں نافذ نہیں کیا جائے گا۔ تو انصاف کے تقاضے کسی صورت پورے نہ ہوں گے۔ لہٰذا لازمی اور ضروری ہے کہ مظلوم اور مجبور طبقوں کی دادرسی' حوصلہ افزائی اور ان کو انتقامی جذبوں سے محفوظ رکھنے کے لئے ان حدود وتعزیرات کا نفاذ کیا جائے۔

(۸) باعث عبرت

اسلامی حدود وتعزیرات کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ سزائیں باعث عبرت ہوتی ہیں' اسی لئے قرآن وسنت میں انہیں سرعام نافذ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۃ

نور میں ہے

﴿ولیشھد عذابھما طائفۃ من المومنین﴾

''اوراس (جرم زنا) کی سزا کا مشاہدہ مومنین کی ایک جماعت ضرور کرے۔''

رسول اکرمؐ اور خلفائے راشدین کے دور میں جتنی بھی سزائیں دی گئیں وہ سب سر عام مسجد نبوی کے سامنے دی گئیں۔ سیدنا ماعز بن مالک اسلمیؓ کو مسجد نبوی کے سامنے جب رجم کیا گیا تو وہ بھاگے عید گاہ تک جاتے جاتے صحابہ کرم نے انہیں رجم کر دیا۔ غامدیہ کو مسجد نبوی کے سامنے رجم کیا گیا۔ مخزومیہ کا ہاتھ مسجد نبوی کے سامنے کاٹا گیا' اس پر کسی نے چوں و چرا نہ کی لیکن حیرت و افسوس کا مقام ہے کہ آج ہمارے نام نہاد دانشور اور بعض جدید تعلیم یافتہ اور مغرب زدہ لوگ یہ کہتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرتے' کہ'' سر عام سزا دینا انسانیت کی توہین ہے'' تو کیا نعوذ باللہ من ذلک' صحابہ کرامؓ انسان نہ تھے؟ وہ تو شرف انسانی کے ایسے مقام مرتبہ پر فائز تھے کہ آج کا بڑے سے بڑا ولی اللہ ان کی خاک پا کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ دراصل اعتراض کرنے والے حضرات کو سر عام سزا دینے میں جو مقام عبرت ہے اس کی حکمت سمجھ نہیں آتی۔

ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر آج ہماری حکومت اسلامی حدود و تعزیرات کو نافذ نہ بھی کرے مگر انگریز کے قانون کے مطابق جو پھانسی کی سزائیں جیلوں میں چھپ کر دی جاتی ہیں انہیں اگر آج سر عام نافذ کرنا شروع کر دیں تو یقیناً معاشر سے جرائم کی تعداد میں کمی ہو گی ہم صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں

جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور میں لاہور کے پپو کیس میں تین مجرموں کو جیل روڈ پر سر عام پھانسی کی سزا دی گئی تھی لوگوں کا ایک جم غفیر جمع تھا' پھانسی کا منظر دیکھنے

کے بعد لوگ توبہ توبہ کرتے اور کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے گھروں کو رخصت ہو رہے تھے- اس دن کے بعد پاکستان کی چھ مہینے کی اخبارات اٹھا کر دیکھیں ان میں آپ کو کسی جرم کا نشان نظر نہیں آئے گا لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ اب اسلام اپنی صحیح صورت میں نافذ ہونے والا ہے لیکن جب ان کو پتہ چلا کہ اسلام کا نفاذ نہیں ہوا تو معاشرے میں جرائم پھر سے شروع ہو گئے-

سعودی عرب میں قرآن وسنت کے احکام کے عین مطابق آج بھی سزائیں بیت اللہ کے سامنے' مسجد نبوی کے سامنے اور ہر شہر میں جامع مسجد کے سامنے نافذ کی جاتی ہیں جس کی وجہ سے لوگ عبرت حاصل کرتے ہیں مجرموں کے خلاف اپنی نفرت کا اظہار کرتے ہیں- انسانی فطرت میں بعض اوقات جرم پل اور بڑھ رہا ہوتا ہے لیکن انسان نے اس پر عمل نہیں کیا ہوتا- سزا کے مشاہدے سے ایسے مجرم ضمیر خود بخود اپنی اصلاح کرتے ہیں اور جرم سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیتے ہیں-

حجاز مقدس کی تاریخ میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ ایک وقت تھا جب یہاں کے رہنے والے حاجیوں کو لوٹ لیتے تھے حتیٰ کہ انہیں قتل بھی کر دیتے تھے لیکن جب محمد بن عبدالوہاب کی تحریک احیائے دین کے ناطے صحیح معنوں میں اسلام نافذ ہوا تو مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے ایک چور کا ہاتھ سر عام کاٹا گیا جس کے بعد مدینہ طیبہ میں سولہ سال تک چوری کا کوئی کیس سامنے نہیں آیا یہ دلیل ہے کہ سر عام سزا نافذ کرنا لوگوں کے لئے باعث عبرت بن جاتا ہے-

(۹) آخرت کے عذاب سے چھٹکارا

اسلامی حدود وتعزیرات کا سب سے بڑا اعجاز یہ ہے کہ جس آدمی کو اس جہاں میں اسلامی شریعت کے مطابق سزا مل جائے تو آخرت میں اللہ کی طرف سے اسے

کوئی سزا نہیں دی جاتی گویا وہ آدمی پاک وصاف ہو کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے- جب سیدہ غامدیہ کو رجم کیا گیا تو رسول اکرمؐ نے ان کی نماز جنازہ پڑھانے کی تیاری کی- سیدنا عمرؓ نے رسول اکرمؐ سے عرض کی'' اتصل علی الزانیۃ'' (کیا آپ (ایک زانیہ کی نماز جنازہ پڑھائیں گے؟) اس پر آپؐ نے فرمایا'': اے عمر تم نہیں جانتے'' لقد تابت توبۃ لو قسمت علی ھذہ القریۃ لکفتھا'' (اس عورت نے اتنی سچی توبہ کی ہے کہ اگر اس کی توبہ کو مدینہ طیبہ کے سب گناہ گاروں پر تقسیم کر دیا جائے تو سب کے لئے کافی ہو جائے)''

اس سے ثابت ہوا کہ غامدیہؓ سزا ملنے کے بعد گناہوں سے ایسی پاک وصاف ہو گئی جس طرح اس کی ماں نے اسے جنم دیا' رسول اکرمؐ کا فرمان ہے:

التائب من الذنب کیوم ولدتہ امہ

''(گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہو جاتا ہے جیسے اس کی ماں نے آج ہی جنم دیا ہو-''

سوال یہ پیدا ہوتا کہ کیا وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ کے خلاف ارتکاب گناہ کی کوئی ایک شہادت موجود نہ تھی پھر یہ خود آ کر رسول اللہؐ کے سامنے اپنے جرم کا اقرار و اعتراف کیوں کرتے تھے؟ دراصل ان صحابہ کرامؓ کو یہ علم تھا کہ اگر انہیں دنیا میں سزا نہ ملی تو آخرت کی سزا بہت سخت ہوگی- منافقین نے جب غزوۂ تبوک پر اس بہانے نکلنے سے انکار کیا کہ گرمی بہت شدید ہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں وارننگ دی:

(قل نار جھنم اشد حرًا لو کانو یفقھون ﴿

''اے رسول اکرم ﷺ آپ کہہ دیجئے جہنم کی آگ عرب کی چلچلاتی دھوپ سے بہت زیادہ سخت ہے- اے کاش وہ اس حقیقت کو سمجھ لیتے''

یہ تھا وہ خوف جس کی بناء پر یہ صحابہ کرامؓ خود اپنے جرم کا اقرار و اعتراف کرتے ‘اپنے گناہوں پر نادم ہوتے‘ رسول اکرمؐ نے فرمایا’’: التوبۃ الندم‘‘

کہ’’ توبہ کی حقیقت اپنے گناہوں پر سچے دل سے نادم ہونا ہے‘‘

تو ان صحابہ کرامؓ نے سچی توبہ کی اور اپنے جرم کے اقرار و اعتراف سے دنیاوی سزا کو قبول کرلیا اور آخرت کے عذاب سے اپنے آپ کو محفوظ کرلیا۔

ضمناً ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی آدمی کا جرم قانون سے پوشیدہ رہتا ہے تو اس کی سزا کا معاملہ کیا ہوگا؟ اس سلسلے میں قران وسنت ہماری رہنمائی کرتے ہیں اگر ایسا آدمی بغیر توبہ کے دنیا سے چلا جائے تو اسے اپنے ہر جرم کی سزا آخرت میں ملے گی لیکن اس نے سچی اور سچی توبہ کی ہو تو بے شک اللہ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر اللہ اس کو معاف کردیں تو اس کو آخرت میں کوئی سزا نہ ملے گی۔

ابن تیمیہؒ نے اسلامی حدود و تعزیرات کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرمایا.....:

’’کسی محبت کے مارے عاشق کو اگر اس بات کی اجازت دی جائے کہ وہ اپنے محبوب کو دیکھتا رہے اور گفتگو کرتا رہے تو اس سے اس کے مرض کو افاقہ نہیں ہوگا بلکہ اس کا مرض بڑھے گا لہٰذا وہ فرماتے ہیں:’’ اسلامی حدود و تعزیرات کڑوی دوائی کی مانند ہے جو ایسے اخلاقی مریضوں کا علاج کرتی ہیں۔‘‘

’’اور مریض جب وہ چیز مانگے جو اسے ضرر پہنچائے یا کڑوی دوا کھانے سے واویلا کرے تو اگر ہم اس پر نرمی کرتے ہوئے اس کو دوائی نہ پلائیں تو ہم اس کی تکلیف کے بڑھانے اور اس کی ہلاکت کا سبب بنیں گے اور وہ ہلاک ہوجائے گا۔ یہی حالت ایک گناہ گار اور عاشق کی ہے کہ وہ مریض ہوتا ہے اس کے ساتھ نرمی اور

رحمت یہ نہیں ہے کہ ہم اس کو ہر وہ چیز مہیا کریں جس کی وہ خواہش کرے اور اس طرح اس کی مدد کریں اور نہ یہ ممکن ہے کہ اسے ان عبادات کے ترک کرنیکی طرف مائل کریں جو اسے فائدہ دے کر اس کے مرض کو زائل کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا": بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔"

تمت بالخیر

IqbalCyber Library.Net All rights reserved. ©2002-2006